© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ظفر اقبال

''اوراقِ گُل''
ادبی و تہذیبی روایت کا ایک اہم ماخذ

مشاہیرِ ادب سے ملاقات اور ان کے بابت بیش از بیش معلومات حاصل کرنے کی خواہش، ادب کا اہم شعبہ شمار کی جاتی ہے۔ اس خواہش کی ارتقائی شکل تذکروں کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ بعد ازاں تذکرہ نگاری کو بھی ایسا فروغ حاصل ہوا کہ صرف اردو شعرا کے کم و بیش ڈیڑھ سو مطبوعہ تذکرے دست یاب ہیں، جب کہ متعدد تذکرے ہنوز منتظرِ اشاعت ہیں۔ مشاہیر شعرا کے سوانح اور کلام کی جمع آوری کی روایت بیسویں صدی کے نصف اول میں بھی پوری سرگرمی کے ساتھ جاری رہی اور ہمیں اس نوعیت کی متعدد کاوشیں ملتی ہیں جن میں ''سخنستان''، ''نگار کا غزل نمبر''، اور ''اوراقِ گل'' نمایاں ہیں۔ اس عہد میں مشاہیر اور شعرا سے براہِ راست تعارف اور ان کے متعلق درست ترین معلومات حاصل کرنے کے لیے متعدد ذرائع اختیار کیے گئے۔

۱۔ اداروں، کمیٹیوں اور ادبی تنظیموں نے مشاعرے منعقد کیے اور اس موقع پر شرکا سے ان کے سوانح حاصل کر کے مشاعروں کی روداد کے ساتھ شائع کر دیا۔ اس کی بہترین مثال ''سخنستان'' ہے۔

۲۔ رسائل نے ایسے انتخابات شائع کیے کہ جن میں ادبا و شعرا کے مختصر خودنوشت سوانح شامل تھے۔ اس کی بہترین مثال ''نگار ۱۹۴۰ء کا غزل نمبر'' ہے۔

۳۔ صاحبِ حیثیت شخصیات نے منتخب شعرا کو بلا کر محفلِ مشاعرہ منعقد کی اور اس دوران شرکا سے ان کی مختصر خودنوشت حاصل کر کے رودادِ مشاعرہ کے ساتھ شائع کر دی گئی۔ اس کی بہترین مثال ''اوراقِ گل'' ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ نظر مضمون میں ''اوراقِ گل'' کا تعارف اور سوانحی حصّے کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

رام پور کا شمار ہندوستان کی اہم ریاستوں میں ہوتا تھا۔ وہاں کے نوّابین کے علمی وادبی ذوق نے آہستہ آہستہ رام پور کو ایک ادبی اسکول کی حیثیت دے دی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سے تو اُس زمانے کے بیش تر علم وفن اور ادب کی قابلِ ذکر ہستیوں کا ملجا و مسکن بن گیا۔ رام پور کے نواب رضا علی خان بہادر کی اعانت و مشاورت کے بعد ''بزمِ سخن'' کے نام سے غالباً ۱۹۴۰ء میں ایک ادبی تنظیم قائم کی گئی۔ اس تنظیم نے دو سال تک رام پور میں مشاعرے منعقد کیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاعرے نہایت محدود سطح پر منعقد کئے جاتے تھے۔ ''اوراقِ گل'' کے مرتب ضمیر ہاشمی (ڈپٹی ریوینو منسٹر رام پور) رقم طراز ہیں:

> ''بزمِ سخن نے پہلا عملی قدم اٹھایا اور یہ طے کیا کہ ملک کے مشہور شعرا کو دو دو تین تین کر کے رام پور میں دعوت دی جاے کہ وہ یہاں تشریف لا کر بزم کے جلسے میں اپنا منتخب کلام سنائیں اور آخر میں ایک مجموعہ شایع کیا جاے جس میں ہر شاعر کا منتخب کلام، تصویر، سوانح اور تحریر کے عکس بھی شامل ہوں''۔

''شعرا سے استدعا یہ تھی کہ وہ اپنے منتخب کلام، حالات زندگی، تصویر اور تحریر کے ساتھ حسبِ ذیل سوالوں کے جواب، قبل از تشریف آوری روانہ فرما دیں۔

۱۔ شاعر کے نزدیک شاعری کا کون سا پہلو اہم ہے: اقتصادی، معاشرتی یا روحانی؟
۲۔ شاعر کی نظر میں ہندی، سنسکرت وغیرہ کے الفاظ کا شمول کس حد تک مناسب ہے؟
۳۔ شاعر کی نظر میں اردو ادب کی خدمت کس نہج سے ہونا چاہیے؟
۴۔ شعر کے لیے ردیف، قافیہ کی پابندی کہاں تک ضروری ہے؟
۵۔ شاعر کے وردِ زباں، کسی دوسرے شاعر کے چند منتخب اور پسندیدہ اشعار۔
۶۔ نظم اور غزل میں کس کو بہتر استاد مانتے ہیں متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعرا میں سے۔''

''چناں چہ دورِ حاضر کے مشہور شعرا میں سے منتخب حضرات کو دعوت نامے روانہ کیے گئے۔ چند اصحاب بہ خوشی تیار ہو گئے، کچھ نے شرائط منظور کرائیں، اور بعض نے سعادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندی کا ثبوت طلب کیا۔۔۔بہر حال فی الجملہ سب نے کمالِ عنایت و کرم کا اظہار کیا، اپنا وقت صرف کیا، سفر کی تکالیف برداشت کیں۔ یہ سلسلہ کم وبیش دو برس جاری رہا۔''

''اوراقِ گل'' میں شامل شعرا مندرجہ ذیل تاریخوں میں رام پور آئے۔

۱۔	آرزو لکھنوی۔	۲، مئی ۱۹۴۱ء
۲۔	آزاد انصاری۔	۲۲، نومبر ۱۹۴۱ء
۳۔	اثر رام پوری۔	۲۰، فروری ۱۹۴۲ء
۴۔	اثر صہبائی۔	۲۳، دسمبر ۱۹۴۱ء
۵۔	اثر لکھنوی۔	یہ خود نہیں آئے اپنا کلام، سوانح اور ۱۹۳۷ء کی دستخط شدہ ایک تصویر ارسال کردی۔
۶۔	احسان دانش۔	۱۳، اپریل ۱۹۴۱ء
۷۔	اختر شیرانی۔	۲۴، دسمبر ۱۹۴۰ء
۸۔	امین حزیں۔	۲۳، دسمبر ۱۹۴۱ء
۹۔	بےخود دہلوی۔	۲۳، مارچ ۱۹۴۱ء
۱۰۔	ثاقب لکھنوی۔	۲۳، مارچ ۱۹۴۱
۱۱۔	جگر مراد آبادی۔	۲۴، دسمبر ۱۹۴۰ء
۱۲۔	جلیل مانک پوری۔	یہ خود تشریف نہیں لائے۔انہوں نے اپنی تصویر، سوانح اور انتخاب ارسال کیا۔
۱۳۔	جوش ملیح آبادی۔	۶، فروری ۱۹۴۲ء
۱۴۔	حسرت موہانی۔	۱۸، نومبر ۱۹۴۱ء
۱۵۔	حفیظ جالندھری۔	۱۷، فروری ۱۹۴۲ء
۱۶۔	آلِ رضا لکھنوی۔	۲۳، مارچ ۱۹۴۱ء
۱۷۔	روش صدیقی۔	۱۳، اپریل ۱۹۴۱ء
۱۸۔	ساحر دہلوی۔	۲۳، مارچ ۱۹۴۱ء
۱۹۔	ساغر نظامی۔	۲۲، مارچ ۱۹۴۱ء
۲۰۔	سائل دہلوی۔	بہ وجہ علالت خود نہ آسکے، اپنی تصویر، سوانح اور کلام ارسال کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ سیماب اکبر آبادی۔ ۲۳، مارچ ۱۹۴۱ء
۲۲۔ صفی لکھنوی۔ بہ وجہ علالت خود نہ آ سکے، اپنی تصویر، سوانح اور کلام ارسال کیا۔
۲۳۔ فراق گورکھ پوری۔ ۱۱، مئی ۱۹۴۱ء
۲۴۔ کیفی دہلوی۔ ۲۲، مارچ ۱۹۴۱ء
۲۵۔ ماہر القادری۔ ۱۳، جنوری ۱۹۴۱ء
۲۶۔ تلوک چند محروم۔ ۲۲، نومبر ۱۹۴۱ء
۲۷ آنند نرائن ملاّ۔ ۱۳، جنوری ۱۹۴۱ء
۲۸۔ نوح ناروی۔ ۲۳، دسمبر ۱۹۴۱ء
۲۹۔ وحشت کلکتوی۔ بہ وجہ علالت خود تشریف نہ لا سکے، سوانح، تصویر اور انتخاب کلام ارسال کیا۔

''اوراقِ گل'' کی ترتیب میں الف بائی طریقہ کار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں اشخاص، اقوام و فرق، مقامات، ادارے اور کتب کا ایک اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرشی صاحب کی زیرِ نگرانی مرتب ہونے والی کتب کا معیار کتنا سائنٹی فک تھا۔ بزمِ سخن کی جانب سے منعقد محفل مشاعرہ میں سے ۲۹، اہم ترین شعرا کے خود کردہ انتخابِ کلام، مختصر خود نوشت سوانح اور نوابی اہتمام سے کھینچی گئی تصویر کے ساتھ یہ مجموعہ ''اوراقِ گل'' کے عنوان سے سلسلہ مطبوعات کتب خانہ رام پور نمبر ۶ کے تحت ۱۹۴۴ء میں آرٹ پیپر پر ۲۶۷ صفحات پر شایع کیا گیا۔

(۲)

''اوراقِ گل'' متعدد وجوہ کی بنا پر نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

۱۔ اس مجموعے میں متعدد شعرا کا وہ کلام درج ہے جو ان کے کسی بھی مجموعے میں شامل نہیں۔ مثلاً آلِ رضا لکھنوی، ڈاکٹر محسنہ نقوی نے آلِ رضا پر پی ایچ ڈی کیا ہے۔ دورانِ تحقیق جب میں نے انھیں ''اوراقِ گل'' مطالعہ کے لیے دی تو انھوں نے بتایا کہ اس میں شامل آلِ رضا کا کلام ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہے بلکہ ان کی خود نوشت سوانح بھی ایک ادبی انکشاف سے کم نہیں ا۔ میرا خیال ہے یہ صورتِ حال متعدد دیگر شعرا کے ساتھ بھی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ جیسا کہ اوراقِ گل کے مرتب ضمیر ہاشمی نے وضاحت کردی ہے کہ ہر شاعر نے اپنے حالاتِ زندگی بہ قلم خود لکھ کر دیے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اوراقِ گل میں شامل مواد، مذکورہ شخصیات کی زندگی، ادبی سرگرمیوں، سماجی کارگزاریوں اور تخلیقی خدمات کا نہایت اہم ماخذ ہے۔

۳۔ شعرا سے جو چھے سوالات کئے گئے تھے ان کے جوابات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سوالوں سے ہر شاعر کی ذہنی کیفیت، ادب اور معاصر مسائل وضروریات کے بابت ان کے نکتہ نظر کی وضاحتی صورت سامنے آتی ہے۔ ان جوابات سے مذکورہ شعرا کے فکری رجحانات اور ادب کی تفہیم کے حوالے سے ان کی عملی سرگرمیوں کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ تنقیدی نقطۂ نگاہ سے مذکورہ جوابات بجائے خود اک نظریاتی نقطہ نگاہ کے حامل ہیں۔

مذکورہ بالا خصوصیات اور اس کی تحقیقی اہمیت کے پیشِ نظر مناسب جانا گیا کہ ''اوراقِ گل'' میں سے سوانح اور جوابات کا حصّہ نکال کر علیٰحدہ شایع کر دیا جائے۔ واضح ہو کہ ''اوراقِ گل'' اگر نایاب نہیں تو انتہائی کم یاب کے ذیل میں ضرور آتی ہے۔ راقم کے نسخے میں امتیاز علی خاں عرشی کے صاحبزادے اکبر علی خاں کی ایک قلمی تحریر بھی شامل ہے جس پر ۱۹۷۹ء کی تاریخ درج ہے اس تحریر کو اس لیے نقل کیا جارہا ہے کہ اس سے اوراقِ گل کی ترتیب کے کام پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ضمیر ہاشمی رقم طراز ہیں:

> ''اس کتاب کے ساتھ میرا ایک عجیب تعلق ہے۔ جب یہ کتاب ترتیب کی منزل سے گزر رہی تھی اس وقت میری عمر کل نو سال کی تھی، مگر میں اس کی ترتیب میں ابا مرحوم کے ساتھ شریک تھا۔ گرمی کے دن تھے اور میں نے ابا کے ساتھ بیٹھ کر اس کی کاپیاں پڑھوائی تھیں۔ وہ کتابت شدہ کاپیاں پڑھتے جاتے تھے اور میں، اگر اصل سے کہیں اختلاف کاتب نے کیا ہوتا تھا، تو اس کو بتاتا جاتا تھا اور ابا کتابت شدہ کاپی میں اسی کے مطابق تصحیح کرتے جاتے تھے۔ آج کل نو برس کے بچے اس کتاب کو ٹھیک پڑھ بھی نہیں سکیں گے۔ خدانخواستہ یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی غیر معمولی ذہانت کی بات کر رہا ہوں، بلکہ اپنے گھر کے ماحول اور اپنی پیدائشی ادبی دلچسپی کی بات بتا رہا ہوں۔ کم سے کم میرا المیہ یہ ہے کہ میرے بچوں میں سے کسی کو اپنے باپ کی دلچسپیوں میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ شاید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر عہد اپنے ساتھ الگ دل چسپیاں لاتا ہے۔ کم سے کم میری زندگی کی دو بڑی محرومیوں میں سے ایک یہ بھی ہے''۔

(۳)

اب ذیل میں شعرا کے سوانحی حالات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ آرزو لکھنوی:

سیّد انوار حسین نام، منجھو صاحب عرف، اور آرزو تخلص ہے۔ والد کا نام میر ذاکر حسین یاس اور سالِ ولادت ۱۲۸۹ ہجری ہے۔ اِن کے مورثِ اعلیٰ عالم گیر کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آکر فوج میں ملازم ہوئے اور اجمیر (راجپوتانہ) میں قیام کیا؛ پھر لکھنؤ چلے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

حضرتِ آرزو کا درمیانی قد، آفتابی چہرہ اور گندمی رنگ ہے۔ کشادہ پیشانی سے متانت، سنجیدگی اور فراخ حوصلگی کا پتا چلتا ہے۔ تواضع، انکسار، اور خلوص اِن کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

ذوقِ شاعری فطری ہے اور بہت کم عمری سے شعر کہتے ہیں۔ اِن کے والد کو اِس شوق کا پتا چلا، تو ہم راہ لے جاکر حضرتِ جلال لکھنوی کا شاگرد کرادیا۔ اُس وقت اِن کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ رفتہ رفتہ مشقِ سخن اِس درجہ بڑھی کہ جلال اپنے دوسرے شاگردوں کی غزلیں اصلاح کے لیے اِن کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

تصانیف میں تین دیوان حسبِ ذیل ناموں سے طبع ہوچکے ہیں:۔

۱۔ فغانِ آرزو: اِس میں ۱۵ سال سے ۲۵ سال تک کی عمر کا کلام ہے۔

۲۔ جانِ آرزو: اِس میں ۳۵ سال کی عمر کے بعد کا کلام ہے۔

۳۔ سُریلی بانسری: اِس میں تیسرے دَور کا کلام جمع کیا ہے اور یہ خصوصیت ہے کہ اشعار میں عربی یا فارسی لفظ بالکل استعمال نہیں ہوے ہیں۔

عرصے تک کلکتے میں سکونت رہی۔ آج کل بمبئ میں مقیم ہیں۔

۲۔ آزاد انصاری:

الطاف احمد نام، ابوالاحسان کنیت، اور آزاد تخلص ہے۔ نسلاً انصاری اور سہارن پور کے باشندے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناگ پور میں، جہاں اِن کے والد اُورسیر تھے، ۲۷رجب ۱۲۸۸ء کو اِن کی ولادت ہوئی، اور نظیر حسین تاریخی نام رکھا گیا۔ سات سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، تو نانا کی پرورش میں آ گئے۔ آٹھ نو سال کی عمر میں قرآنِ مجید ختم کر کے، مولوی عبداللہ انصاری سے گلاوٹی میں فارسی، اور مولوی صدیق علی سے مالیر کوٹلے میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں نانا کا انتقال ہو گیا اور یہ سہارن پور چلے آئے۔ یہاں آ کر حافظ نیاز علی بریلوی سے فارسی کی اور مولوی بشیر احمد علی گڑھی سے عربی کی تکمیل کی۔ ابھی ۱۸، ۱۹ سال کی عمر تھی کہ شادی ہو گئی، اور مزید تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا؛ لیکن کچھ عرصے کے بعد معاشی ضروریات کے تحت حکیم نور احمد سہارن پوری اور ڈاکٹر احمد خاں لکھنوی سے طِب پڑھی۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۳ء تک طبابت ہی ذریعۂ معاش رہا۔ اس کے بعد حیدر آباد جا کر عینک فروشی اختیار کی، جو اب تک جاری ہے۔

آزاد، اوسط قد، گندمی رنگ، چھریرے جسم اور موزوں خدوخال کے شاعر ہیں۔ گرم و سردِ زمانہ کا پورا تجربہ رکھتے ہیں اور شائستگی، متانت، خوش اخلاقی، پختگی وضع اور پرانی تہذیب کے آئینہ دار ہیں۔

شعر گوئی کا شوق ۱۳، ۱۴ سال کی عمر سے تھا، لیکن مہمل ہونے کے ڈر سے نہ کسی کو شعر سُناتے اور نہ کسی مشاعرے میں پڑھتے۔ بالآخر ۱۸۹۰ء میں مولانا حبیب الرحمٰن بیدل (شاگردِ حضرتِ غالب) سے تلمذ اختیار کیا، اور عطارد تخلص سے غزلیں کہہ کر مشاعروں میں پڑھنے اور رسائل میں طبع کرانے لگے۔

شعر گوئی کے ابتدائی دَور میں اُستاد ذوق کے اتباع کی کوشش کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد داغ، امیر، جلال وغیرہ اساتذہ کے کلام کا مُطالعہ کیا، تو اِن حضرات کے رنگ پر طبع آزمائی کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس سے بھی دل سیر ہو گیا، اور طبیعت کو کسی اور شاہ راہ کی تلاش ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اِن کے اُستاد (بیدل) حیدر آباد کے دَار العُلوم میں ملازم ہو کر جا چکے تھے، اور شمالی ہندوستان میں علاّمہ حالؔی کا کلام اپنی مقبولیت کا سکّہ چلا رہا تھا۔ اس بے خضری کے زمانے میں آزاؔد نے اُن کا مجموعۂ کلام پڑھا، اور اُس سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ پچھلا سارا ذخیرہ نذرِ آتش کر دیا۔ سابق تخلص عطارد کو خیر باد کہہ کر آزاد تخلص اختیار کیا اور سہارن پور سے پانی پت جا کر حضرتِ حالؔی کے شاگرد ہو گئے۔ چناں چہ موصوف سے اصلاح لینے کا سلسلہ اُن کی ۱۹۱۴ء میں وفات تک برابر جاری رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرتِ آزاد اُردو زبان کے اندر ہندی اور سنسکرت کے صرف انھیں ہلکے پھلکے الفاظ کا استعمال روا رکھتے ہیں، جن میں آسانی کے ساتھ زبان میں کھپ جانے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، اور اُن بکر ماجیتی الفاظ کے سخت مخالف ہیں، جن کے رواج دینے کی آج کل جدو جہد کی جا رہی ہے۔

زبان کے لیے مضمون کو پامال کرنا اور مضمون کے لیے زبان کا خون کرنا کسی حد تک مناسب نہیں سمجھتے۔ نظم میں میر انیس، حالی اور اقبال کو، اور غزل میں غالب، مومن، مصحفی اور میر تقی کو اُستاد مانتے ہیں۔

جناب آزاد نے معارفِ جمیل میں لکھا ہے کہ حسبِ ذیل خصوصیات اُن کے کلام میں بہ کثرت و بالالتزام ہیں:-

۱۔ الفاظ کی ترتیب۔
۲۔ سلاست وصفائی زبان۔
۳۔ ندرتِ بیان۔
۴۔ تکرارِ الفاظِ حسین۔
۵۔ صنعتِ ترصیع وتقابل۔
۶۔ صنعتِ ترصیعِ جدید کی ایجاد۔
۷۔ اصطلاحاتِ علمیہ کا اِستعمال۔

معلوم ہوا کہ آخر ۱۹۴۲ء میں حضرتِ آزاد کا انتقال ہو گیا۔

۳۔ اثر رام پوری:

محمد علی خاں نام، اثر تخلص، قوم پٹھان احمد زئی، سالِ ولادت ۱۸۹۲ء، سکونت رام پور، والد کا نام مولوی محمد شفیع خاں اور دادا کا نام شاہ نواز خاں ہے۔

قرآنِ مجید اور ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، فارسی کی متداول درسی کتابیں مولوی عبدالرزاق خاں طالبؔ سے پڑھیں، اور منشی فاضل کا امتحان مولوی سیّد اولا دحسین شاداں بلگرامی سے پڑھ کر پاس کیا، عربی میں زیادہ تر مولانا سلامت اللہ صاحب سے تلمذ رہا ہے۔

درمیانی قد، دُہرا جسم، فراخ پیشانی، خوش قطع چہرہ اور سُرخ وسپید رنگ ہے۔ اسلامی اخلاق اور شائستگی کا نمونہ، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور اہلِ علم کے قدر دان ہیں۔

ابتدائی مشق میں کسی سے مشورۂ سخن نہیں تھا۔ ۱۹۳۵ء سے جنابِ جلیل مانک پوری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس اپنا کلام بھیجنا شروع کیا، لیکن موصوف کی عدیم الفرصتی کے باعث اصلاح میں تاخیر ہوتی تھی، اس لیے ۱۹۴۱ء میں حضرتِ آرزو لکھنوی کی خدمت میں چند غزلیں روانہ کیں۔

آج کل رام پور اسٹیٹ کونسل کے آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ ملازمت کی مشغولیت کے باعث مشقِ سخن کے لیے وقت نہیں ملتا، تاہم احباب کی فرمائشوں کو پورا کرتے ہیں، اور مقابلے کی نظمیں لکھ کر وقتاً فوقتاً اِنعامات حاصل کرتے رہتے ہیں۔

تالیفات میں نثر کی چند مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ایک مجموعہ ''وطن کے گیت'' طبع ہو چکا ہے۔

نظم میں میر انیسؔ اور علامہ اقبالؔ کو اور غزل میں میرؔ، غالبؔ، جلیلؔ اور آرزوؔ کو اُستاد مانتے ہیں۔

اِن کی رائے میں شاعری کا اہم پہلو محاکات اور واقعہ نگاری ہے۔ اُردو شاعری میں غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے کے خلاف ہیں خواہ وہ کسی زبان کے ہوں۔ اشعار میں قافیہ و ردیف کی ضرورت کے قائل ہیں، اس لیے کہ حروف کی تکرار سے نظم، نظم معلوم ہوتی ہے اور ردیف سے حسنِ کلام میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اُردو ادب کی ترقی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ:

۱۔ کل ہندوستانی انگریزی داں طبقہ آپس میں ہمیشہ اُردو میں بات چیت کرے اور اُردو ہی میں لکھا کرے۔

۲۔ دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے بہ کثرت ترجمے شایع ہوں۔

۳۔ کتابیں بہ کثرت تصنیف کی جائیں، اور یونیورسٹیوں کے نِصاب میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ اثر صہبائی:

عبدالسمیع پال نام، اور اثرؔ صہبائی تخلص ہے۔ ۲۸، دسمبر ۱۹۰۱ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی احمد دین پال ہے۔ قد و قامت متوسط، چہرہ کتابی اور رنگ سُرخ و سپید ہے۔ عادات و اخلاق شریفانہ ہیں، اور طبعیت میں ژوف نگاہی پائی جاتی ہے۔

۱۹۱۸ء میں انٹرنس، ۱۹۲۳ء میں بی۔ اے آنرز، ۱۹۲۵ء میں ایل۔ ایل۔ بی اور ۱۹۲۹ء میں فلسفے میں ایم۔ اے، پاس کیا۔ آج کل وکالت کرتے ہیں۔

۱۲ سال کی عمر سے شعر گوئی کا ذوق ہے۔ فطرت نے عاشقانہ مذاق عطا کیا ہے۔ ہمیشہ سے خوب صورت انسان، دل کش مناظر اور تصویریں ان کے لیے جاذبِ قلب و نظر ہیں۔ یہی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ پیشۂ وکالت کی مصروفیت کے باوجود شعروسخن کا مشغلہ جاری ہے۔

تین چار سال کی عمر میں والدہ کے آغوشِ شفقت سے محروم ہوے۔ ۱۹۲۷ء میں شادی ہوئی، لیکن ۱۹۳۱ء میں رفیقۂ حیات کے انتقال سے خانہ ویرانی ہوگئی، ۱۹۳۸ء میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اِن صدمات سے آثر غیر معمولی متاثر ہوے۔ ''راحت کدہ'' اِنھیں تاثرات کی یادگار ہے۔

باقاعدہ تلمذ کسی سے نہیں ہے۔ ابتدا میں کبھی کبھی اپنے بڑے بھائی امین حزیں کو کلام دکھا لیتے تھے۔ بعد میں بعض مخلص احباب اور ماہرینِ فن سے بھی مشورہ کیا ہے، جن میں سے حضرتِ کیفی اور جنابِ آثر لکھنوی قابلِ ذکر ہیں۔

تصانیف میں ''جامِ صہبائی'' (مطبوعۂ ۱۹۲۸ء) ''خمستان'' (مطبوعۂ ۱۹۳۳ء) اور ''جامِ صہبائی'' (مطبوعۂ ۱۹۳۷ء) منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

اِن کا خیال ہے کہ شاعری اور دیگر علوم وفنون کی غایت اور مقصد کائنات کی صحیح ترجمانی اور تزکیہ نفس ہے۔ فلسفی شاعر اور پیغمبر دونوں اپنے اپنے رنگ میں ایک ہی کام انجام دیتے ہیں؛ ان کی راہیں مختلف ہوتی ہیں، لیکن منزل ایک ہے، اس لیے فلسفیانہ شاعری، بالفاظِ دیگر روحانی شاعری ہے، جو شاعری کا سب سے اہم اور ضروری پہلو ہے۔

اُردو ادب کی ترویج وترقی کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دُور کی جس قدر زندہ زبانیں ہیں اُن کی بہترین کتابوں کے عام فہم ترجمے بیش از بیش کیے جائیں، تاکہ اُردو ادبِ لطیف میں جوش وسرگرمی کی کمی پوری ہو جاے۔

دیگر زبانوں کے مانوس اور صاف الفاظ خواہ وہ ہندی کے ہوں یا سنسکرت کے، زیادہ سے زیادہ تعداد میں زبان میں داخل کیے جائیں اور عربی کے مشکل الفاظ کی بجائے ہندی کے عام فہم الفاظ مل سکیں تو اُن کو ترجیح دی جائے۔ سنسکرت کے صرف وہ الفاظ لیے جائیں، جو موقع کی مناسبت کے لحاظ سے مافی الضمیر کی ترجمانی کرنے میں سہولت پیدا کر سکیں۔

ان کے نزدیک اشعار میں ردیف وقافیہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ نثر سے امتیاز کے لیے وزن کی ضرورت ہے۔

۵۔ اثرؔ لکھنوی:

میرزا جعفر علی خاں نام، اور اثرؔ تخلص ہے۔ ۱۲/جولائی ۱۸۸۵ء کو لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ کٹرہ ابوتراب میں آبائی مکانات ہیں۔ سِلسلۂ نسب حکیم میرزا علی حسین خاں بہادر مخاطب بہ مسیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدولہ ابنِ میرزا علی خاں حکیم الملک سے ملتا ہے، جو لکھنؤ کے شاہی اطبّا میں ممتاز ترین شمار کیے جاتے ہیں۔

فارسی کی درسی کتابیں پڑھ کر ۱۸۹۶ء میں جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں انٹرنس پاس کر کے، کیننگ کالج لکھنؤ سے ۱۹۰۴ء میں ایف۔ اے اور ۱۹۰۶ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ ایک سال ایم۔ اے کا کورس پڑھا اور ایل۔ ایل۔ بی کی تیاری کی، لیکن طبیعت میں قانون سے مناسبت نہ پا کر یہ سلسلہ چھوڑ دیا۔

۱۹۰۹ء میں صوبۂ متحدہ کی پراونشل سول سروس میں بہ طور ڈپٹی کلکٹر داخل ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں عراق کا سفر کیا۔ ۱۹۳۵ء میں کلکٹری کے عہدہ پر مستقل ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں ''خان بہادر'' کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۹ء میں ایم۔ بی۔ ای کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں پنشن لی، مگر اس کے بعد ہی قسمتِ الہ آباد کے اڈیشنل کمشنر مقرر ہوئے، اور یہاں سے ریاستِ کشمیر کے مشیرِ ترقیات کے عہدے پر سرفراز کیے گئے۔ اس وقت کشمیر میں ہوم ممبر ہیں۔

جناب اثر درمیانی قد و قامت، فراخ پیشانی، اور گندمی رنگ کے خوش فکر شاعر، نقاد اور ادیب ہیں۔ جناب میرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی سے شاعری میں تلمذ ہے۔ فرماتے ہیں:

اثر ہے نام، وطن لکھنؤ، عزیزؔ اُستاد
نکالتا ہوں نئے راستے زباں کے لیے

جنابِ اثر نے جن آغوشوں میں پرورش پائی، وہ زبان کا گھوارا تھے، اور بہ لحاظِ فصاحتِ زبان ''ثقافتِ کثرہ'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ اسی کا اثر ہے کہ جنابِ اثر کو اپنی زبان سے خاص اُنس ہے، فرماتے ہیں:۔

صنّاع، مثلِ آتش، ہیں میرزا اثر بھی
دیکھو تو جڑ رہے ہیں الفاظ کیا نگیں سے

انگریزی زبان کے فاضل ہیں، مگر اردو تحریر یا تقریر میں انگریزی الفاظ بے ضرورت صرف نہیں کرتے۔ شاعر کا ذوق فطری ہے، اور کلام میں آتش کی طرح زبان کا چٹخارہ اور میر کی طرح جذبات کی فراوانی ہے۔ فرماتے ہیں:

شاعری لطفِ زباں تک نہیں محدود اثر
ساتھ ہی ساتھ فراوانیِ جذبات بھی ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملازمت کے زمانے میں ادبی ذوق، اور شعر و شاعری کا شغل برابر جاری رہا اور اب بھی بہ دستور باقی ہے۔ کلام کے دو مجموعے ایک ''اثرستان'' ۱۹۲۴ء میں دوسرا ''بہاراں'' ۱۹۳۹ء میں طبع ہو چکے ہیں۔

۶۔ احسانِ دانش:

احسان الحق نام اور احسان تخلص ہے۔ والد کا نام قاضی دانش علی اور خاندانی وطن قصبۂ باغ پت ضلع میرٹھ ہے۔ بعض اسباب سے قاضی صاحب نے قصبۂ کاندھلہ، ضلع مظفر نگر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہیں ۱۹۱۴ء میں احسان پیدا ہوے۔

قاضی صاحب کے پاس اچھی خاصی جاے داد تھی، مگر بد قسمتی سے سب کھو بیٹھے، اور بالآخر ایک ٹھیکے دار کے یہاں مزدوروں کے میٹ ہو گئے۔ کبھی کبھی انھیں مزدوری بھی کرنا پڑی۔ اُس زمانے میں احسان اپر پرائمری کے تیسرے درجے میں پڑھتے تھے۔ جب تیسرا درجہ پاس کر لیا، تو چوتھے درجے کی کتابوں کے لیے رفیق باپ کو گھر کے تانبے کے برتن فروخت کرنا پڑے لیکن چوتھے درجے کے بعد باپ کے ساتھ مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئے، اور تعلیم ترک کر دینا پڑی۔ کچھ دنوں کے بعد میونسپلٹی کے چپراسیوں میں جگہ مل گئی۔ یہاں کے افسروں کے بے جا برتاؤ پر ترکِ ملازمت کر کے لاہور چلے گئے، اور سامانِ عمارت ڈھونے والے مزدوروں میں شامل ہو گئے۔ اِن کا اپنا قول ہے کہ:-

''علاوہ دیگر عمارتوں کے، دیال سنگھ کالج اور پنجاب یونیورسٹی کے دفتر پر مزدوری کرنے کا مجھ کو فخر ہے۔'' تاہم اُس زمانے میں بھی دوپہر اور شام کو فرصت کا جتنا وقت ملتا، اُسے کتب بینی میں صرف کرتے۔

کچھ عرصے کے بعد لاہور کی ایک سیرگاہ میں چوکی داروں میں ملازم ہو گئے۔ اس دوران میں تنہائی اور مفت کی روشنی کی بدولت مطالعے کا خوب وقت ملا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ جگہ تخفیف ہو گئی تو ریلوے کے دفتر کے چپراسیوں میں ملازمت کر لی۔

ریلوے کی نوکری چھوڑ کر گورنمنٹ ہاؤس میں باغ بانی کرنے لگے اس کے بعد گیلانی بک ڈپو میں بیس روپے ماہ وار کے ملازم ہوے۔ اب عرصے سے اپنا ذاتی کتب خانہ ''مکتبۂ دانش'' کے نام سے لاہور کے محلہ مزنگ میں چلا رہے ہیں۔

احسان گہرے سانولے رنگ کے، درمیانہ قد، متین اور سنجیدہ جوان، اور خوش مزاج،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سادگی، انکسار اور تواضع کا مجسمہ ہیں۔ دوست احباب کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ شاعری کا آغاز ریلوے کے دفتر کی ملازمت کے زمانے میں ہوا، مگر تلمذ کسی سے نہیں ہے۔

ان کے خیال میں شاعری کا معاشرتی پہلو اہم تر ہے اور زندگی کے جذبات و واقعات کو عام فہم اُردو میں ردیف و قافیہ کی پابندی کے ساتھ سامعہ نواز بحور میں ادا کرنا اولیٰ ہے۔

احسانؔ، ہندی بھی جانتے ہیں، لیکن ہندی کے غیر مانوس الفاظ استعمال نہیں کرتے۔

اساتذہ متقدمین میں میرؔ کو، متوسطین میں غالبؔ کو، اور دورِ حاضر میں فانیؔ بدایونی کو اُستاد مانتے ہیں، اور نظم میں میر انیسؔ کے مداح ہیں۔

اِن کے منظوم کلام کی پانچ جلدیں حسبِ ذیل ناموں سے طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ نوائے کارگر ۲۔ چراغاں ۳۔ آتشِ خاموش

۴۔ جادۂ نو ۵۔ نفیرِ فطرت

۷۔ اختر شیرانی:

اختر خاں نام، اور اخترؔ تخلص ہے۔ ۱۹۰۵ء میں ریاست ٹونک (راجپوتانہ) میں پیدا ہوے۔ والد کا نام حافظ محمود خاں شیرانی اور دادا کا نام محمد اسمٰعیل خاں شیرانی ہے۔

پروفیسر شیرانی، جن کی تنقیدی نظر مستشرقینِ یورپ سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے، ۱۹۱۹ء میں ٹونک چھوڑ کر لاہور چلے آئے تھے۔ یہیں اختر نے ہوش سنبھالا اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ چناں چہ ۱۹۲۱ء میں اورینٹل کالج میں داخل ہو کر منشی فاضل پاس کیا۔

۱۹۲۲ء میں ادیبِ فاضل کی ڈگری لی۔ اِس کے بعد رسالۂ ہمایوں کی ادارت میں شریک ہو گئے۔ پھر ایک دوست کے کہنے پر ''بہارستان'' نکالا۔ کچھ عرصے کے بعد جنونِ عشق کے ہاتھوں اُسے بھی خیرباد کہہ دیا۔ چند سال بعد اورینٹل کالج سے میٹرک میں بھی شریک ہوے۔

شعر و شاعری سے اختر کو فطری لگاو ہے اور لڑکپن سے شعر کہتے ہیں۔ ابتدا میں اپنے اتالیق صابر علی خاں شاکر سے کچھ دن مشورہ کیا تھا۔ بعد ازاں ذوقِ فطری سے مدد لیتے رہے، اور رفتہ رفتہ اُردو کے ممتاز شاعروں میں گنے جانے لگے۔

اختر کا درمیانی قد، اور سانولا رنگ ہے۔ پیشانی کشادہ، چہرہ آفتابی اور آواز میں دل کشی ہے، لیکن کسی مشاعرے میں لحن و ترنم کے ساتھ کلام نہیں پڑھتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبیعت میں شوخی اور رنگینی ہے، اور مناظرِ قدرت سے خاص دل چسپی رکھتے ہیں۔ اہلِ مذاق کے یارِ شاطر ہیں، اور پُر خلوص محبت کرتے ہیں۔ بے حد بے پروا اور بے باک واقع ہوئے ہیں۔ نہ کسی پابندی سے نظم کرتے ہیں، اور نہ کسی مجبوری سے نثر لکھتے ہیں۔ ان کے خیالاتِ منثور اور جذباتِ منظوم سود و زیاں کی نیاز مندانہ قیود سے آزاد ہیں۔

اقسامِ شاعری کے متعلق حسبِ ذیل اظہار خیال کیا ہے:۔

''شعر سے تو بہت سے کام لیے جاسکتے ہیں، لیکن میرے نزدیک شاعری ایک وہ جذبہ ہے، جو عاشقانہ تنہائیوں کی پیداوار اور انھیں کے لیے باعثِ مسرت ہیں (ہے)۔ میں جذباتی شاعر ہوں اور اِسی قسم کے اشعار کہنا پسند کرتا ہوں۔''

''اُردو ادب کی ترویج و ترقی کے بارے میں اِن کی رائے ہے کہ اول ''اُردو'' مدارس میں لازمی کی جائے، دوسرے اُردو پڑھنے والے زیادہ پیدا کیے جائیں اور تیسرے اچھے مصنفین کی قدر کی جائے۔

اِن کے نزدیک اُردو میں ہندی اور سنسکرت کے اُن الفاظ کے شمول میں مضائقہ نہیں جن سے ہماری زبان کی فصاحت، موسیقی اور لطافت میں فرق نہ آئے۔

ردیف و قافیہ کی پابندی میں چوں کہ ایک نا قابلِ بیان موسیقی اور تاثیر ہے، اس لیے اشعار میں اِن کا ہونا لازم جانتے ہیں۔

اِن کا خیال ہے کہ نظموں کی ابھی ابتدا ہے، اِس لیے آگے چل کر ایسا شاعر پیدا ہوگا جس کو ''اُستاد'' کہا جاسکے۔ غزل میں میر، درد، داغ، مولانا حسرت، اور جگر کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اِن کے منظوم کلام کے حسبِ ذیل مجموعے طبع ہو چکے ہیں:۔

۱۔ پھولوں کا گیت (بچوں کے لیے)

۲۔ نغمۂ حرم (عورتوں کے لیے)

۳۔ صبحِ بہار (عام نظموں کا مجموعہ)

آج کل انجمنِ ترقیِ اُردو کا کچھ کام اپنے وطن (ٹونک) میں کر رہے ہیں۔

۸۔ امینِ حزیں:

خواجہ محمد مسیح پال نام، امینِ حزیں تخلص، سالِ پیدائش ۱۸۸۴ء مقامِ ولادت سیال کوٹ، اور والد کا نام مولوی احمد دین ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امینِ حزیں نے عربی و فارسی شمس العلما مولوی میر حسن (اُستادِ علامہ اقبال) سے پڑھی، اور انگریزی کی تعلیم اول مشن ہائی اسکول اور بعدہٗ مشن کالج سیال کوٹ میں پائی۔

پہلے ڈاکٹر بننے کا شوق ہوا، لیکن سائنس سے طبیعت کو مناسبت نہ تھی، اِس لیے ملازمت کرلی۔ کچھ عرصہ ہوا کہ انڈین اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنسی گلگت سے خان بہادر کا خطاب لے کر پنشن پائی ہے۔ ملازمت کے دوران میں بھی علمی مشاغل برابر جاری رہے۔ اب ہمہ تن اُردو ادبیات کی خدمت میں مصروف ہیں۔ شعر و سخن کی طرف طبیعت کا رجحان ابتدا ہی سے تھا، لیکن ۱۹۰۲ء سے یہ مشغلہ برابر جاری ہے۔ ابتدائے شعر گوئی میں مولوی ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جوہر کے رنگ سے متاثر تھے۔ بعد ازاں علامہ اقبال کو پسند کرنے لگے اور یہ رنگ کچھ ایسا بھایا کہ پھر کسی کا نقشہ نہ جم سکا۔

امینِ حزیں متوسط قامت، پُر گوشت اور گورے رنگ کے خوب صورت انسان ہیں، کشادہ پیشانی سے خوش اخلاقی ٹپکتی ہے، اور باتوں سے عالی ہمتی، قلب کی صفائی، فکر کی گہرائی کا پتا چلتا ہے۔ اِن کے کلام کو گل و بلبل، لیلیٰ و مجنوں، وامق و عذرا، اور شبِ ہجراں کے افسانہ ہائے دراز سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔ اصلاحی، اخلاقی اور خطیبانہ شاعری کے علم بردار ہیں۔

اُردو زبان کی ترقی و توسیع کے بارے میں اِن کا خیال ہے کہ بلند پایہ علمی اور اخلاقی کتابوں کے بہ کثرت ترجمے کیے جائیں اور مستقل کتابیں، مفید اور دل چسپ مضامین پر لکھی جائیں، نیز قدرتِ زبان اور لطافتِ شاعرانہ کے ساتھ موثر انداز میں پاکیزہ اور بلند خیالات نظم کرنے کی اہلیت پیدا کرلی جائے، تو اُردو کو وہی شرف حاصل ہوسکتا ہے، جو دیگر ترقی یافتہ زبانیں پاچکی ہیں۔

ہندی اور سنسکرت کے ساتھ جملہ دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اُردو زبان میں شامل کیے جانے کے حامی ہیں، بہ شرطیہ کہ وہ غیر الفاظ اِس ترکیب سے استعمال کیے جائیں کہ اُن کو اپنا لیا جاسکے۔

ردیف و قافیہ کی پابندی کے متعلق اِن کا خیال ہے کہ موجودہ شاعر توجہ سے کام نہیں لیتے اور انگریزی شاعری کے اتباع میں ردیف و قافیہ کی پابندی سے گریز کرتے ہیں، حالاں کہ اِس قسم کی شاعری برہنہ شاعری ہے۔ ایشیائی شاعری میں ردیف و قافیہ کی پابندی ضروری ہے۔ جب تک ردیف و قافیہ نہ ہوگا، موسیقیت پیدا نہیں ہوسکتی، جو ایشیائی شاعری کا جزوِ لاینفک ہے۔

نظم میں علامہ اقبال کو اور غزل میں میرزا غالب کو اُستاد مانتے ہیں۔ اِن کے کلام کا مجموعہ ''گل بانگِ حیات'' کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ بے خود دہلوی:

سیّد وحید الدین احمد نام، بے خود تخلص ، والد کا نام سیّد شمس الدین احمد، دادا کا سیّد بدرالدین احمد کاشف، اور پر دادا کا نواب سیّد امیر احمد خاں بہادر تھا۔ یہ عالم گیرِ ثانی کے وزیر تھے۔ سلسلۂ نسب سلطان العارفین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بائیسویں پشت میں ملتا ہے۔

بے خود بھرت پور میں پیدا ہوئے ، ۳۰، رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ تاریخ ولادت ہے۔ دو ماہ بعد اِن کے والد مع اہل و عیال دلّی چلے آے۔ چار سال کی عمر سے دلّی میں اُردو فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ خوش قسمتی سے ملک کے مشہور ادیب حضرت علامہ خواجہ الطاف حسین حالؔی جیسے اُستاد ملے۔ گھر میں ایک مایۂ ناز ادیبہ ''مریم زمانی بیگم'' کی آغوشِ تربیت میں لال قلعے کی ٹکسالی اُردو بولنے اور سیکھنے کا فخر حاصل ہوا۔

شعر گوئی خاندانی مشغلہ تھا اِس لیے بچپن ہی سے طبیعت کا رجحان اِس طرف زیادہ تھا۔ ۱۳، سال کی عمر میں دنیائے شاعری میں قدم رکھا، جس کا پہلا نقش یہ ہے:۔

دلِ سے نِکل گیا کہ جگر سے نِکل گیا
تیرِ نگاہِ یار کدھر سے نکل گیا

۱۶، سال کی عمر تک کوئی مستقل اُستاد اختیار نہیں کیا۔ گاہے گاہے علامہ حالی سے مشورۂ سخن کر لیتے تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں فصیح الملک داغ دہلوی کے باقاعدہ شاگرد ہوئے ، مگر تقریباً چھے ماہ اصلاح سے بہرہ یاب ہوے تھے کہ اُستادِ مشفق نے فرمایا ''اب تم کو اصلاح کی ضرورت نہیں۔''

شاعری کے علاوہ شکار، شہ سواری اور تیغ رانی میں بھی ملکہ پیدا کیا تھا۔ فنِ خطاطی میں یدِ طولیٰ تھا، لیکن اب سترہ اٹھارہ سال سے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو جانے کے باعث لکھنے سے تقریباً معذور ہیں۔ پاوں میں رانگن کا درد رہتا ہے، جس کے سبب سے ایک پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہیں۔

پیرانہ سالی کے باوجود طبیعت میں نوجوانوں جیسی شوخی ہے۔ بڑے بذلہ سنج، لطیفہ گو، اور رنگین کلام ہیں۔ شان دار چہرے سے وسیع الخیالی، اور مستقل مزاجی کا پتا چلتا ہے۔ بزرگ صورت، پاکیزہ سیرت صاف گو، سادہ وضع، اور عہدِ قدیم کی مکمل یادگار اور زندہ تصویر ہیں۔ پان بالکل نہیں کھاتے ، البتہ حُقّے کا بے حد شوق ہے۔ شغلِ شاعری و اصلاحِ ادب کے ساتھ اشغالِ دینی بھی بہ دستور جاری ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے خاص طور پر پابند اور درود و ظائف کے عادی ہیں۔ اکثر باوضو رہتے ہیں۔ ایک بار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے ہیں کہ ''میں جذباتی شاعر ہوں اور اسی قسم کے اشعار کہتا ہوں۔ لیکن اپنے خیال وجذبہ کے ماتحت ہر شاعر شاعری سے جُدا جُدا کام لے سکتا ہے۔''

آپ شعر میں ردیف وقافیہ کو لازمی سمجھتے ہیں اور شاعری کی طرزِ جدید کے مخالف ہیں۔ ہندی وغیرہ کے اُن الفاظ کا اُردو شاعری میں شمول جائز سمجھتے ہیں، جو محاورے میں آجائیں۔ نظم میں میر انیس، اور حالی کو اُستاد سمجھتے ہیں اور غزل میں داغ دہلوی کو۔

تصانیف میں دو ضخیم دیوان، ایک گفتارِ بے خود (مطبوعہ ۱۳۲۳ھ) اور دُرِ شہوار (مطبوعہ ۱۳۳۸ھ) منظرِ عام پر آچکے ہیں اور اِسی قدر کلام غیر مطبوعہ موجود ہے۔

اِن کا خیال ہے کہ اُردو کی ترقی کے لیے ہر اردو جاننے والے کا فرض ہے کہ خود اُردو بولے اور لکھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے، نیز مدارس میں بھی اُردو لازمی کی جائے اور دوسری زبانوں سے جدید علوم وفنون کے ترجمے کیے جائیں۔

حضرت بے خود نے کوئی سرکاری ملازمت نہیں کی، البتہ دلّی کے انگریز افسروں کو تقریباً ۳۲ سال تک اُردو فارسی کی تعلیم دی ہے۔

رام پور میں صاحبزادہ سید شبیر علی خاں صاحب بہادر شبیر عرف ننھے صاحب مرحوم ومغفور سے خصوصی تعلقات تھے، اِس لیے اکثر رام پور آنے اور رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔

۱۰۔ ثاقب لکھنوی:

میر ذاکر حسین نام، ثاقِب تخلص، اور تاریخِ ولادت ۱۹، رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) ہے۔ سلسلۂ نسب علی خاں شاملو سے مِلتا ہے، جو شاہِ طہماسپ صفوی کے معتمد علیہ اور طبرستان کے باشندے تھے۔ اِن کے مورثِ اعلیٰ نے اکبر آباد آکر سکونت اختیار کر لی، مگر میرزا چھ ماہ کے ہوں گے کہ اِن کے والد کو اکبر آباد چھوڑ کر لکھنؤ آنا پڑا، جہاں تا حال اِن کی سکونت ہے۔

ابتدائی تعلیم پُرانے طرز پر لکھنؤ ہی میں ہوئی۔ انگریزی پڑھنے کے لیے چار سال آگرے میں قیام رہا۔ آگرے ہی میں میر مومن صفّی کی مجالس سے ذوقِ شعر گوئی پیدا ہوا اور یہیں مشقِ سخن کی بُنیاد پڑی۔ دیوان طبع ہو چکا ہے۔

ثاقب کتابی چہرے، چھریرے جسم اور درمیانی قد کے نیک صورت، خوش اخلاق اور سنِ رسیدہ بزرگ ہیں۔ بذلہ سنجی وظرافت، گفتگو میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دوست نوازی، مذہب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابندی اور خلوص و محبت سے ملنا اِن کی نمایاں صفات ہیں۔ عرصے سے ریاست محمود آباد سے وثیقہ پاتے ہیں، اور شبانہ روز یادِ خدا اور فکرِ شعر و سخن میں مشغول رہتے ہیں۔ اِن کے نزدیک شاعری کا روحانی پہلو اہم ہے اور وارداتِ قلبی کو نظم کرنا اولیٰ ہے۔

اُردو زبان میں ہندی، بھاشا، وغیرہ کے جو الفاظ شامل ہو چکے ہیں اور جن کو اہلِ زبان لکھتے اور بولتے ہیں، اُن کو ثاقب صاحب کی رائے میں بدستور باقی رکھا اور استعمال کیا جائے۔ لیکن جدید الفاظ تاوقت یہ کہ اساتذہ کا گروہ اُن الفاظ کو داخلِ اُردو زبان نہ کرے، استعمال نہ کیے جائیں، جیسے ''ستی'' کا لفظ ؎

ذرا دیکھ پروانے کروٹ بدل کر
ستی ہو گئی شمع محفل میں جل کر

اُردو ادب کی خدمت کے متعلق اِن کا خیال یہ ہے کہ جو طریقہ ''بزمِ ادب رام پور'' نے اختیار کیا ہے، وہ پسندیدہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انشا پرداز اور شعرائے باکمال کو خاص خدمات سُپرد کی جائیں، تاکہ وہ اپنے اپنے مقام پر بیٹھ کر اطمینان سے کام انجام دے سکیں۔

کلام میں ردیف و قافیہ کی پابندی ضروری جانتے ہیں۔ اِن کے نزدیک بے قافیہ نظم متبذل ہوتی ہے اور اُس سے شاعر کا قصورِ طبع ظاہر ہوتا ہے۔

نظم میں سودا، ذوق، اور مومن خاں کو، اور غزل میں میرزا غالب، خواجہ میر درد، میر تقی اور میر سوز کو اُستاد مانتے ہیں۔

۱۱۔ جگر مرادآبادی:

علی سکندر نام، اور جگر تخلص ہے۔ ۱۸۹۰ء میں اپنے وطن مرادآباد میں پیدا ہوے۔ اِن کے مورثِ اعلیٰ، مولوی محمد سمیع، شاہ جہاں بادشاہِ دہلی کے اُستاد تھے۔ کسی بات پر بگڑ کر چل دیے، اِس بنا پر خاندان کا ایک حصہ اعظم پور باسٹھ میں رہ گیا، اور کچھ لوگ مُرادآباد آگئے۔ اِن کے دادا حافظ محمد نور، المتخلص بہ نور خوش گو شاعر تھے۔ اِن کے والد مولوی علی نظر، نظر تخلص بھی اپنے وقت کے منتخب شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان ''باغِ نظر'' کے نام سے چھوڑا ہے۔

جگر کی انگریزی تعلیم صرف انٹرنس تک ہے، لیکن فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے۔

جس زمانے میں داغ دہلوی، رام پور سے حیدرآباد پہنچے، جگر بھی وہاں مقیم تھے، اِس لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا کلام داغ کو دکھانے لگے۔ حیدر آباد سے واپسی پر منشی امیر اللہ تسلیم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ جگر نے اپنے متعلق لکھا ہے:۔

"بچپن ہی سے حُسن سے مجھے ایک خاص ربط و نسبت رہی، رفتہ رفتہ یہ نشہ تیز تر ہوتا گیا۔ اس کی تکمیل آگرے کے قیام میں ہوئی۔ ازاں بعد حالات اس درجہ اندوہ ناک ہوتے چلے گئے کہ غالباً حضرتِ اصغر کے توسط سے مجھے آستانۂ بنگلور سے شرفِ غلامی حاصل نہ ہوجاتا تو یقیناً یا تو خودکُشی کر چکا ہوتا، ورنہ بہ قول خود میرے ایک دوست، زینتِ صحرا ہوتا۔ میری تربیت حضرتِ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کے نفوس کی رہینِ منت ہے اور صحیح معنوں میں موصوف کی ذاتِ گرامی میری اصلاحِ شعر کی بھی ذمہ دار ہے۔"

جگر کا درمیانی قد اور سانولا رنگ ہے، متوسط الاعضا، فراخ پیشانی اور کشادہ چشم ہیں۔ سر کے بال بڑے رکھتے ہیں۔ چہرے سے شاعرانہ وحشت ٹپکتی ہے۔

ریا کاری اور بناوٹ سے نفرت ہے۔ جس سے ملتے، فراخ دلی اور گرم جوشی سے ملتے ہیں اور جس سے نفرت ہوتی ہے، اُس کا مُنھ دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ خلوص و خودداری اِن کی نُمایاں خصوصیات ہیں۔ کلام جس ترنّم آمیز انداز سے پڑھتے ہیں، اُس کے خود موجد بھی ہیں۔ اِن کا خیال ہے کہ عام فہم طریقۂ ادا اور ترکیبِ بندش سے اعلیٰ تخیل و معنی آفرینی، علم و ادب اور زبان کی خدمت ہے اور ثقیل الفاظ و غیر مانوس تراکیب استعمال کرنا ادب کو غارت کرنا ہے۔ ہندی کے مانوس الفاظ بھی کم استعمال کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں مولانا حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خاں کے قائل اور علامہ اقبال اور حضرت اصغر گونڈوی کے شاعرانہ کمال کے گرویدہ ہیں۔ ردیف و قافیہ کی پابندیاں اِن کے کلام میں مسلسل پائی جاتی ہیں اور اِس التزام کو، شعر کہنے کے لیے واجبی تصور کرتے ہیں۔ کلام کا بیش تر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، نظم بہت کم کہتے ہیں۔ حسین مناظر کے مشاہدے سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں، وہی بیش تر غزل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مشاعروں کے دعوت ناموں پر آئے دن سفر میں رہتے ہیں۔

۱۲۔ جلیل مانک پُوری:

جلیل حسن نام جلیل تخلص، والد کا نام مولوی حافظ عبدالکریم ہے۔ ۱۲۸۳ھ میں بہ مقام مانک پور (اودھ) ولادت ہوئی۔ دس گیارہ سال کی عمر میں حفظِ قرآنِ مجید سے فراغت پائی۔ طلبِ علمی کا بیش تر زمانہ لکھنؤ میں گزرا، اور وہیں عربی و فارسی میں استعداد بہم پُہنچائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سخن گوئی کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ بیس سال کی عمر میں امیر مینائی کے سلسلۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور جملہ ضروریات و مستحسنات شعری حضرتِ امیر ہی کے فیضانِ صحبت سے حاصل کیے۔ رام پور میں ''امیر اللغات'' کی تدوین کے لیے دفتر کھولا گیا، اُس کی ادارت ان کے سپرد ہوئی۔ سفرِ بنارس و بھوپال وغیرہ میں بھی حضرتِ امیر کے ہم رکاب رہے۔ ۱۰ر جنوری ۱۳۱۸ھ کو اُستاد کے ہم راہ حیدر آباد پہنچے۔ اُس زمانے میں یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی اعانت اور مہمان نوازی شاملِ حال رہی۔ حضرتِ امیرؔ کی وفات کے بعد ۱۳۲۷ھ میں غفراں مکاں، نواب میر محبوب علی خاں بہادر، نظامِ دکن نے اپنی اُستادی کا شرف بخشا اور داغِ مرحوم کی جگہ پر مامور فرما کر ''جلیل القدر'' کے معزز خطاب سے سرفراز کیا۔

حضورِ پُر نور، نواب میر عثمان علی خاں بہادر، آصف جاہِ سابع، خلد اللہ ملکہ، جب سریر آرائے سلطنت ہوے، تو انھوں نے بھی اپنی اُستادی کے شرف سے مشرف فرمایا، اور پہلے ''نواب فصاحت جنگ بہادر'' کے خطاب سے سرفراز کیا، پھر ''امام الفن'' کے لقب سے مزید عزت افزائی فرمائی۔ شہزادے بھی حسب الحکمِ سرکار اپنا کلام اِنہیں کو دکھاتے ہیں۔

جنابِ جلیل حیدر آباد سے دو رسالے ''محبوب الکلام'' اور ''دبدبۂ آصفی'' نکالتے رہے ہیں۔ ایک مبسوط رسالہ ''تذکیر و تانیث'' الفاظ پر بھی تصنیف کیا ہے، جو مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کے مقدّمے کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ منظوم تصانیف حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ ''تاجِ سخن'': پہلا دیوان، طبع اوّل ۱۹۱۰ء۔
۲۔ ''جانِ سخن'': دوسرا دیوان، طبع اوّل ۱۹۱۶ء۔
۳۔ ''روحِ سخن'': تیسرا دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔
۴۔ ''سرتاجِ سخن'' (قصائدِ مدحیہ، قطعات، مجموعۂ تاریخ)
۵۔ ''معراجِ سخن'': (نعتیہ کلام اور سلام وغیرہ کا مجموعہ)
۶۔ ''گُلِ صد برگ'': (مجموعۂ رباعیات)

اُردو کی ترویج کے متعلق اِن کا خیال ہے کہ فی زمانہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی طریقہ مناسب ہے، یعنی نظم و نثر میں تصنیف و تالیف کا بہ کثرت ہونا، اُردو کے قواعد مرتب کیے جانا اور اُردو کے لغات کا مدوّن ہونا۔

ہندی اور سنسکرت وغیرہ کے جو الفاظ اُردو میں شامل ہو گئے ہیں، اِن کے خیال میں بس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ مفرد اشعار میں ردیف وقافیہ کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے، مگر قطعہ، نظم، غزل، مثنوی وغیرہ میں قافیہ ضروری سمجھتے ہیں، البتہ ردیف کا معاملہ اختیاری ہے۔

۱۴۔ جوش ملیح آبادی:

شبیر حسن خاں نام، جوش تخلص اور ۱۸۹۶ء سالِ ولادت ہے۔ ان کے اسلاف کابل سے آکر قائم گنج ضلع فرخ آباد میں مسکن پذیر ہوئے اور ایک عرصۂ دراز کے بعد ملیح آباد چلے آئے۔ ان کے والد نواب بشیر احمد خاں، دادا نواب محمد احمد خاں اور پردادا نواب فقیر محمد خاں تھے۔ موخرالذکر شاعر بھی تھے، اور گویا تخلص کرتے تھے۔ اِس خاندان کے بیش تر افرادِ سلطنتِ اودھ میں معزز عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

جوش کی عربی و فارسی کی تعلیم مکان پر ہوئی۔ انگریزی سینئر کیمبرج تک پڑھی۔ شعر گوئی کا جذبہ ۱۲، ۱۳ سال کی عمر سے اُبھر چلا تھا۔ ابتدائی کلام حضرتِ عزیز لکھنوی کو دکھایا۔ اب جدّتِ طبیعت و جوشِ فطرت رہنما و مصلح خیال ہے۔

جوش گندمی رنگ کے، فراخ چشم، کشادہ پیشانی، اور اچھے خط و خال کے انسان ہیں۔ چہرے کی ساخت سے اُلوالعزمی، اور تدبر ٹپکتا ہے۔ درمیانی قد، بڑا سر، اور دوہرا جسم ہے۔ سر کے بال بڑے رکھتے ہیں۔ آواز میں شکوہ و دبدبہ اور گفتگو میں تسخیرِ قلوب کی غیر معمولی قوت ہے۔ دوست پسند، احباب نواز، فکرِ امروز و غمِ فردا سے بے نیاز اور بہت گھل مِل جانے والے ہیں۔

اِن کا خیال ہے کہ مجموعی حیثیت سے وہ شاعری بہتر ہے، جو انسانی ذہنیت کو ارتقا و قوتِ عمل بخشنے والی ہو سکتی ہو۔ اُردو کی ترقی و ترویج کے بارے میں یہ رائے ہے کہ بہ کثرت کتابیں ترجمہ اور تالیف کی جائیں، انجمنیں بنائی جائیں، نئے اسلوب اختیار کیے جائیں اور زیادہ تفکّر سے کام لیا جائے۔

اُردو زبان میں ہندی اور سنسکرت کے اُن الفاظ کے شمول سے متفق ہیں، جن سے شعریت مجروح نہ ہو۔ اسی طرح ردیف وقافیہ کی پابندیاں، اِن کے نزدیک اس حد تک روا ہیں کہ شعر میں نقص و تنزل پیدا نہ ہو، ورنہ بغیر اس التزام کے کہنا مناسب ہے۔ لیکن خود اِن کے جملہ کلام میں ردیف وقافیہ کی پابندیاں موجود ہیں۔

نظم میں نظیر اکبر آبادی اور علامہ اقبال کو اُستاد مانتے ہیں۔ غزل کو غیر فطری تصور کرتے ہیں، اس لیے اس صنف میں کسی کو اُستاد نہیں مانتے، البتہ غزل کہنے والوں میں مومن خاں کے تغزل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو محدود معنی میں بہتر سمجھتے ہیں۔ اِن کا خیال ہے کہ غزل گوئی ترک کر کے نظمیں کہنا چاہیں، خواہ وہ کسی صنف کی ہوں۔ جنابِ جوش کی منظوم تصانیف حسبِ ذیل ناموں سے طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ روحِ ادب (نثر، غزل اور نظم کا مجموعہ)

۲۔ نقش و نگار (نظم و غزل کا مجموعہ)

۳۔ شعلہ و شبنم

۴۔ حرف و حکایات

۵۔ جنونِ حکمت

نظموں کے مجموعے

۶۔ فکر و نشاط

۷۔ آیات و نغمات

۱۴۔ حسرت موہانی:

سیّد فضل الحسن نام، اور حسرت تخلص ہے۔ قصبہ موہان، ضلع اُناؤ میں ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔

قرآنِ مجید اور اُردو فارسی کی تعلیم مولانا غلام علی موہانی سے گھر پر حاصل کی۔ اِس کے بعد اُردو مڈل پاس کیا۔ عربی کی کتابیں مولانا سید ظہور الاسلام، بانیِ مدرسۂ اسلامیہ فتح پور، سے پڑھیں۔ فتح پور ہی سے انٹرنس پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا اور علی گڑھ کالج میں داخل ہو کر ۱۹۰۳ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

مولانا حسرت کا، درمیانی قد، معمولی نقشہ، گول چہرہ اور پکّا رنگ ہے۔ اِن میں اخلاقِ اسلامی قدما کی طرح جلوہ گر ہے۔ مزاج کی سادگی، حوصلے کی بلندی، یقین کی استواری، حق پسندی، صدق و صفا اور زہد و تقویٰ سے متصف ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد رسالہ ''اُردوے معلّیٰ'' نکالا، جو دنیاے ادب و سیاسیات میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ادبی و سیاسی مذاق ابتدا ہی سے نہایت صحیح اور سلیم ہے۔ شاعری میں تسلیم لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ باوجود چند در چند مجبوریوں کے وجاہت طلبی کی طرف سے مولانا نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں، اور قومی خدمت گزاری کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے کر، معاشرتی دنیا کو قانعانہ اور متوکلانہ طریق پر نہایت محدود و مختصر کر لیا ہے۔ مذہباً حنفی ہیں اور مشرباً قادری۔ بچپن میں شاہ عبدالرزاق صاحب فرنگی محلی سے بیعت کی تھی۔ بعد ازاں اُن کے صاحبزادے سے، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے والدِ ماجد تھے، تجدیدِ بیعت کی۔

مولانا نے اُردو لٹریچر کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، خصوصاً اُردو شاعری پر اِن کا احسانِ عظیم ہے۔ اکثر غیر معروف شعرا کے حالات اور کلام سے لوگوں کو آشنا کیا، اور اس طرح بہت سے اساتذہ کے کلام کو تلف ہونے سے بچالیا۔ شعرا کے تذکرے مرتب کر کے شایع کیے، اور اُن کے کلام پر تنقیدیں لکھیں، جس سے پاکیزہ مذاقِ سخن کی اشاعت ہوئی۔

اُردو زبان میں ہندی اور سنسکرت کے وہی الفاظ استعمال کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جو عام طور پر رواج پا چکے ہیں۔ اِن کے نزدیک غزل صرف عاشقانہ خیالات کے لیے مناسب ہے، دیگر مضامین کے اظہار کے لیے اِسے استعمال کرنا زیبا نہیں۔ اِن کا یہ بھی خیال ہے کہ اشعار میں قافیہ نہ ہو تو چنداں مضائقہ نہیں، لیکن ردیف کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

سیاست کی بہ دولت اِن کو متعدد بار جیل میں رہنا پڑا ہے اور زنداں کی صعوبتوں سے مستقل طور پر دوچار رہ چکے ہیں، لیکن ارادہ کا استقلال اور خیالات کی استواری میں کبھی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ ایک بار جیل میں یہ مطلع کہا تھا:

ہے مشقِ سخن جاری ، چکّی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

موصوف نے اپنا کلام سُنانے سے قبل بہ طورِ تمہید ایک تقریر میں دنیائے تغزل کو دو حصوں پر منقسم کیا، ''آمد'' اور ''آورد''، پھر دونوں کو چار ابواب پر تقسیم کیا:۔

آمد: عارفانہ عاشقانہ فاسقانہ باغیانہ

آورد: ماہرانہ واصفانہ ضاحکانہ شاعرانہ

اور مذکورۂ بالا عنوانات کے تحت ہر ایک رنگ کے نمایاں غزل گو شعرا کے نام بتائے اور اسی ترتیب سے اپنا کلام تقسیم فرماتے ہوئے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

۱۵۔ حفیظ جالندھری:

محمد حفیظ نام، حفیظ تخلص، سنِ ولادت ۱۹۰۰ء، مقامِ پیدائش جالندھر۔ والد کا نام حافظ شمس الدّین اور دادا کا حاجی مہرُ الدّین ہے۔ اِن کے اُستاد ابوالاثر حفیظ کہہ کر پکارا کرتے تھے، اِس لیے یہی نام مشہور ہو گیا۔ بعض ریاستوں نے ''حسان الملک'' اور گورنمنٹ نے ''خاں صاحب'' کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً دو سو برس پیش تر ایک ہندو راجپوت خاندان مسلمان ہو گیا تھا اور نقلِ وطن کر کے پنجاب میں آبسا تھا۔ مُسلمان ہونے کے بعد اِس خاندان کے ۴۱ آدمی احمد شاہ ابدالی کے مُجاہدوں کے ساتھ مرہٹوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، حفیظ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

سکھوں کے وقت میں اِن کے خاندان پر خاصی تباہی آئی۔ انگریزوں کے پنجاب پر قابض ہونے کے بعد اِن کے دادا حاجی مہرالدین نے مع اپنے بھائیوں کے، فوج کے لیے بارود تیار کرنے کا کام شروع کیا۔ یہی کام اِن کے والد حافظ شمس الدین بھی کرتے رہے۔ حافظ صاحب کو خدا نے بہت سی اولادیں عطا کی تھیں، مگر حفیظ کے جوان ہوتے ہوتے پانچ بھائی اور چھے بہنوئی تھوڑے عرصے میں سپردِ خاک ہو گئے۔ حفیظ کو اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لیے متعدد پیشے، اور تجارتیں کرنا پڑی ہیں اور انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں بہت سے تلخ اور خلافِ ضمیر تجربات حاصل ہوئے ہیں۔

جنابِ حفیظ درمیانی قد، گندمی رنگ اور کتابی چہرے کے مسکین طبع، اور کم گو انسان ہیں، باتوں میں سادگی ہے اور بے جا تکلف و تصنع سے دور رہتے ہیں، آواز میں لحنِ داؤدی کے برکات شامل ہیں، جس سے حُسنِ کلام دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

ابتداً مسجد میں کلامِ مجید اور فارسی میں گلستاں، بوستاں تک پڑھی، بعد ازاں مدرسے میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے طبیعت کا میلان شعر گوئی کی طرف تھا، اِس لیے مطالعہ کے ساتھ شعر گوئی بھی جاری رہی۔ اسی درمیان میں بہ قدرِ ضرورت انگریزی بھی پڑھ لی۔ ابتدائی کلام ملک الشعرا مولانا غلام قادر گیلانی کو دکھایا۔ ان کے بعد نہ کسی سے اصلاح لی، نہ مشورۂ سخن کیا۔

اِن کا خیال ہے کہ شاعری میں نفسیاتی پہلو اہم ہے۔ یعنی وہ شاعری بہتر ہے جو اِنسان کو مادّی اشیا اور سفلی سطح سے بلند کر کے خود شناسی اور خدا ترسی کی طرف لے جائے۔

اِن کی رائے ہے کہ ادبِ اُردو کی خدمت اِس نہج سے ہونا اولیٰ ہے کہ سوقیانہ مذاق باقی نہ رہے اور بلند خیالات روزمرّہ کی زندگی میں داخل ہو جائیں۔ نیز ایسے شاعروں کی قدر کی جائے، جن کا فن فرد و قوم، دونوں میں عزتِ نفس اور باہمی رواداری کی تلقین کرے۔ وہ شعرا جو فحش مضامین نظم کرتے ہیں اور سفلی جذبات کو اُبھار کر داد لینا چاہتے ہیں، اُن کی حوصلہ افزائی اچھے اور زندگی بخش ادب کو قتل کرنا ہے۔ کتابیں شایع کرنے والے ادارے اور انجمنیں اور کتابوں پر تنقید و تبصرہ کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے حضرات مہیّا کیے جائیں، تو اُردو ترقی پا سکے گی۔

اِن کا خیال ہے کہ ہندی و سنسکرت ہی نہیں بلکہ عربی و فارسی کے الفاظ کی بھرمار بھی اُردو کو نقصان پُہنچائے گی۔ البتہ جو الفاظ پہلے سے گھل مِل کر جزوِ زبان ہو گئے ہیں، اُن کا اِستعمال زبان کا حُسن ہے۔

ردیف و قافیہ کی پابندی اِن کے نزدیک بے معنی چیز ہے۔ شاعر کو اختیار ہے کہ موضوع کے لیے ضرورت سمجھے، تو قافیہ سے امداد لے، ورنہ حائل دیکھ کر ٹھکرادے، چناں چہ یہ خود مردّف و مقفیٰ اور بے قافیہ و ردیف دونوں قسم کے اشعار کہتے ہیں۔

متقدمین میں میر کو اور متوسطین میں غالب، مومن اور آتش کو استاد مانتے ہیں۔ معاصرین میں مولانا سہا کو درجۂ استادی دیتے ہیں۔ اقبال کو درجۂ شاعر سے بلند سمجھتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ معاصرین میں پورا شاعر میری نظر سے اوجھل ہے۔

تصانیف میں نظموں اور گیتوں کے دو مجموعے ''نغمۂ راز'' اور ''سوز و ساز'' طبع ہو چکے ہیں۔ تیسرا مجموعہ ''تلخابۂ شیریں'' زیرِ طبع ہے۔ ایک مثنوی موسوم بہ ''شاہ نامۂ اسلام'' تین جلدوں میں چھپ کر شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہے۔ اِس میں سات ہزار اشعار ہیں۔ کچھ نظمیں ''تصویرِ کشمیر'' وغیرہ الگ الگ کتابی شکل میں بھی نکل چکی ہیں۔

بچّوں کے لیے ''بہار کے پُھول''، ''پھول مالا''، ''ہندوستان ہمارا''، ''حفیظ کے گیت'' اور دیگر نظمیں چار حصّوں میں طبع ہو چکی ہیں۔ اِس وقت دہلی میں بہ سلسلۂ ملازمت مقیم ہیں۔

۱۶۔ آل رضا لکھنوی:

سیّد آل رضا نام، رضا تخلص۔ والد کا نام (خان بہادر) سیّد محمد رضا، سالِ ولادت ۱۸۹۶ء اور مقامِ پیدائش قصبۂ نیوتنی اُناؤ ہے۔ رضا جب پیدا ہوے، اِن کے والد عہدۂ منصفی پر مامور تھے۔ اِس کے بعد اودھ کے اضلاع میں انصاف و قانون کے مختلف عہدہ ہاے جلیلہ پر مامور رہے۔ آخر میں چیف کورٹ لکھنؤ کے جج ہو گئے تھے۔

عہدِ طفلی والد کے ساتھ مختلف اضلاع میں گزرا، لیکن زیادہ تر تعلیم سیتا پور میں ہوئی اور یہیں سے انٹرنس پاس کیا۔ ۱۹۱۶ء میں کیننگ کالج لکھنؤ سے بی۔ اے کیا۔ اس کے بعد خانگی امور اور دیگر مصروفیتوں کے سبب سے دو سال بے کار گزرے۔ ۱۹۱۸ء میں قانون پڑھنا شروع کیا، ۱۹۲۰ء میں الہ آباد سے اِیل۔ اِیل۔ بی کا امتحان پاس کر کے لکھنؤ میں وکالت شروع کر دی۔ تھوڑے عرصے کے بعد لکھنؤ سے پرتاب گڑھ جا کر وکالت کرنے لگے۔ وہیں خان بہادر نواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد حسین صاحب او۔ بی۔ ای رئیس و تعلقہ دار، پریانواں، ضلعِ پرتاب گڑھ، کی دختر سے شادی ہوگئی۔

جنابِ رضا صوم وصلوٰۃ کے پابند اور وروو ظائف کے عادی، لکھنوی وضع کے خوش پوش، خوب صورت، خوب سیرت، خندہ پیشانی خوش رنگ اور موزوں اندام انسان ہیں۔

اِن کی شاعری کا آغاز پرتاب گڑھ سے ہوتا ہے۔ ابتدا میں خاص انہاک نہ تھا، کبھی کبھی کچھ شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۹۲۱ء میں احباب کے اصرار پر باقاعدہ غزل کہنا شروع کی اور سیّد انوار حسین آرزو لکھنوی سے بہ ذریعہ خط و کتابت تلمذ حاصل کیا۔ یک سر اتفاق ہے کہ اُستاد سے ملنے کا کبھی موقع نہ ملا۔

شاعرانہ حیثیت سے پرتاب گڑھ ہی میں شہرت ہو چکی تھی۔ ۱۹۲۷ء میں پرتاب گڑھ سے لکھنؤ آئے تو یہاں بھی شعر و شاعری کی مجلس گرم تھی۔ اُنھوں نے بھی ان محفلوں میں حصہ لینا شروع کیا اور تھوڑے عرصے میں اپنے ادبی رُتبے کو منوالیا۔ چناں چہ اس کے اعتراف میں انجمنِ معین الادب نے، جس کے ممبر جناب صفی اور حضرتِ ظریف بھی تھے، اِن کو نائب صدر کی حیثیت سے انتخاب کیا اور بعد ازاں صدارت کے فرائض تفویض کر دیے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ انجمن ''بہارِ ادب'' کے نام سے موسوم ہوئی، تو اس میں سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔

فرماتے ہیں کہ ''میں زیادہ تر جذباتی شاعری کرتا ہوں، جس میں روحانیت کا خاصا حصّہ ہوتا ہے، لیکن شاعر کی دُنیا کو یہیں تک محدود نہیں سمجھتا۔'' اُردو ہندی کے الفاظ کے بارے میں اِن کا خیال ہے کہ:

> ''زبان ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتی۔ شاعر کو اپنے خیالات زمانے کی زبان کے لحاظ سے عام فہم طریقے پر ظاہر کرنا چاہیے، لیکن نوعیتِ مضمون کے لحاظ سے کبھی اس کلیے سے الگ بھی ہٹنا پڑتا ہے۔ اُردو زبان میں بہ کثرت ہندی الفاظ رائج ہیں۔ ایسے الفاظ کا سلیقے سے استعمال اچھی صورتیں پیدا کرسکتا ہے۔ الفاظ کے استعمال میں صرف معنویت کا لحاظ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ آواز، وزن، اور مزاج کی ہم آہنگی بھی لازمی ہے۔''

ترویجِ اُردو کے بارے میں اِن کا خیال ہے کہ ضروریاتِ زندگی اور لوازماتِ ترقی پر نظم و نثر شایع کر کے عوام تک اس طرح پہنچانا چاہیے کہ انھیں کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ مطبوعات کی خریداری اور اہم سے اہم فائدے کا حصول ممکن ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ردیف و قافیہ کے متعلق خیال ہے کہ اکثر غیر مردّف اشعار بھی کافی لطف دیتے ہیں، لیکن قافیہ اور ردیف دونوں سے معرّا اشعار بہت پھیکے ہوتے ہیں۔

رضا کو غالب اور میر کا کلام بہت زیادہ پسند اور یاد ہے۔ نظم میں نظیر آبادی اور انیس کو، اور غزل میں غالب، داغ، مومن، اور آرزو کو اُستاد مانتے ہیں۔ ایک مجموعہ کلام ''نوائے رضا'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

۱۷۔ روشؔ صِدّیقی:

شاہد عزیز نام، روشؔ تخلص اور ۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء تاریخِ پیدائش ہے۔ والد کا نام مولوی طفیل احمد شاہد، اور مولد و مسکن جوالا پور (سہارن پور) ہے، جو مناظر فطرت کے لحاظ سے بہت دل چسپ اور خود اِن کے بہ قول ''قدیم ہندوستانی تہذیب کا گہوارہ ہے۔''

قرآنِ مجید اور اُردو فارسی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ سنسکرت، ہندی اور انگریزی سے خود واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ سات سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں اور اس فن میں اپنے والد سے تلمذ ہے۔ ۳۴ء تک برابر غزلیں لکھیں، اِس کے بعد نظم نگاری شروع کر دی ہے۔

روشؔ پستہ قد، گندمی رنگ، کتابی چہرے اور خوب صورت آنکھوں کے ہنس مُکھ نوجوان ہیں، اور خلوص و محبت اور صدق و صفا کی تصویر نظر آتے ہیں۔

۱۸۔ ساحرؔ دہلوی:۔

امرناتھ نام، اور ساحرؔ تخلص ہے۔ رائے بریلی میں ۲۹، مارچ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ مسکن دہلی ہے۔ اِن کے والد پنڈت جانکی پرشاد بے جان، بریلی فوج میں خزانچی اور میر منشی تھے۔ ۱۸۷۲ء میں مستعفی ہو کر دلّی چلے آئے اور ۱۸۷۲ء سے ۱۸۹۲ء تک محکمۂ ریلوے میں ملازم رہے۔ انھیں حُسنِ خدمات کے صلے میں پورے مشاہرے کی پنشن اور رائے بہادر کا خطاب عطا ہوا تھا۔

ساحرؔ ۱۲ سال کے سِن میں پنڈت پرشاد رام، راز داں کے شاگرد ہوئے، اور تین چار سال اُن سے اُردو فارسی کی تعلیم پائی۔ ذوقِ شعر و سخن اوائلِ عمر سے تھا اور حافظۂ خداداد کی بدولت اُردو فارسی کے ہزارہا اشعار یاد کر لیے تھے۔ سب سے پہلے فارسی میں اشعار کہے اور زانوے شاگردی عبدالحلیم عاصم کی خدمت میں تہہ کیا۔

قدرتِ زبان کے ساتھ فکرِ موزوں اور ذہانتِ طبع حاصل تھی، صفی، میرزا، مہر، اور آغا صوفی کے مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن حاصل کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲ سال کی عمر میں بہ سلسلۂ ملازمت اجمیر شریف جانا پڑا۔ وہاں دوستوں کے اصرار سے ریختہ کی طرف توجہ کی۔ کچھ عرصے کے بعد دلّی واپس آکر جواہر ناتھ ساقی اور رام رچھپال شیدا کی صحبتوں میں شریک ہونے لگے، پھر عرصۂ دراز تک عہدۂ تحصیل داری پر ممتاز رہے، مگر شغلِ سخن جاری رکھا۔ اب بہ صلۂ حسنِ خدمات، اپنے وطن دلّی میں پنشن پا رہے ہیں۔

جنابِ ساحر، تہذیبِ قدیم کے حامل اور دلّی کے وضع دار اصحاب میں سے ہیں۔ اِن کی باتوں سے وسعتِ اخلاق، تواضع، نرمی اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے، چناں چہ اِن کا یہ شعر خود انھیں کی حالت کا مرقع ہے:

کوئی حرم سے، دیر سے منسوب ہے کوئی
اِک رہ گیا ہوں میں کہ تمھارا کہیں جسے

سادہ وضع قطع ہے۔ چھریرا جسم، متوسط قد وقامت اور کتابی چہرہ ہے۔ داڑھی، مونچھ، وغیرہ کے بال بہ اقتضائے سِن سفید ہو چکے ہیں لیکن بایں سِن وسال، شعر وشاعری کی مجالس میں وہی گرما گرمی ہے۔ ہر ماہ کے آخری ہفتے میں معمولی مشاعرہ اور سال بہ سال ماہِ دسمبر کے آخر (یوم کلاں) میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرتے ہیں، جس میں قریب وبعید کے احبابِ باذوق اور سخن گو حضرات جمع ہوتے ہیں۔

ساحرؔ روحانی شاعری کو پسند کرتے ہیں۔ اِن کا خیال ہے کہ ''اُردو ادب میں شاعری سے ایک قسم کا لوچ اور بیان میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں خدمتِ ادب کے لیے وہ جملہ ذرائع اختیار کرنا اولیٰ ہے، جو اس کی ترقی میں معاون ومدد ہو سکتے ہیں، اور وہ بہت ہیں۔''

ہندی اور سنسکرت کے مروجہ الفاظ سے زیادہ کے شامل کرنے کے خلاف ہیں۔ صرف انھی الفاظ کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں، جو اُردو میں گھل مِل گئے ہیں۔ اِن کے خیال میں ردیف وقافیہ کی پابندی لازمی کی جائے اِس لیے کہ جب تک ردیف وقافیہ کلام میں نہ ہو، زور نہ ہوگا۔ نظم و غزل دونوں میں، آزاد انصاری مرحوم کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اِن کے کارنامے بہ صورتِ تراجم وتصانیف بہت ہیں، لیکن جس قدر مطبوعات معلوم ہو سکے، وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

کفرِ عشق۔ فسانۂ توحید۔ رسالۂ اسرارِ حقیقت۔ جلوۂ جہاں نما۔ رموزِ معرفت، رازِ معرفت۔ حضرتِ ساحر کا ۱۹۶۲ء میں انتقال ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۔ ساغر نظامی:

محمد یار خاں نام، ساغر تخلص، تاریخِ ولادت ۲۱ر دسمبر ۱۹۰۵ء، مقامِ ولادت علی گڑھ بالائے قلعہ، قوم مہمند یوسف زئی افغان اور والد کا نام احمد یار خاں ہے، جو ہنوز بہ قیدِ حیات ہیں۔

اِن کا خاندان تقریباً ۲۰۰ سال پیش تر کابل سے ہندوستان آیا۔ مورثِ اعلیٰ سردار شہ باز خاں، نواب جھجر کی فوج کے سپہ سالار تھے۔

ساغر کی عربی و فارسی کی تعلیم مکان پر ہوئی، اور انگریزی نویں کلاس تک گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ میں پڑھی۔ شاعری میں اُستادی وشاگردی کے قائل نہیں ہیں۔ اِن کا خیال ہے کہ شاعری کی تکمیل مشاہدۂ حیات، تجربات اور مطالعۂ فطرت سے تعلق رکھتی ہے۔

> ''۹ برس کی عمر سے ذوقِ شعر پیدا ہوا اور تیرہ برس کی عمر میں مشاعروں میں شریک ہوا۔ گویا ابتدائی تعلیم کے دوش بدوش میری شاعری پیدا ہوئی۔ غیر شعوری طور پر میں ماحول اور روایات میں الجھا ہوا تھا، اِس لیے میں نے شروع کا کلام مولانا سیمابؔ اکبر آبادی کو دکھایا۔''

مزاج میں ظرافت اور شوخی ہے۔ مشاعروں میں کلام ترنّم سے پڑھتے ہیں۔

اُردو ادب کی ترویج وترقی کے اِن کے نظر میں تین طریقے ہیں:۔

۱۔ ادب کو محدود حلقوں سے نکال کر عام اور بسیط کیا جائے۔

۲۔ کوئی زبان اور اُس کا ادب اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا، جب تک ادیب وشاعر کی مساعی اور کارکردگیوں کی کوئی اقتصادی قدر و قیمت تسلیم نہ کر لی جائے۔

۳۔ نشر واشاعت کے ذرائع میں آسانی، یعنی موجودہ طریقۂ طباعت کو ترک کر کے ٹائپ کو اختیار کیا جائے۔

غزل میں میر، غالب، مومن، حسرت، جگر، اور نظم میں نظیر اکبر آبادی، انیس، اقبال اور جوش کو اُستاد سمجھتے ہیں۔ یہ شعر کی ترقی کے مقابل ردیف وقافیہ کو ترجیح نہیں دیتے، البتہ بحر کا ہونا اِن کے نزدیک ضروری ہے۔

ساغر اِس وقت میرٹھ میں رہتے ہیں اور رسالہ ''ایشیا'' کے اڈیٹر ہیں۔ منظوم تصانیف حسبِ ذیل ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ صبوحی: غزلوں کا مجموعہ

۲۔ شبابیات: رباعیات کا مجموعہ

۳۔ بادۂ مشرق: نظموں، غزلوں اور رباعیات کا مجموعہ

۲۰۔ سائل دہلوی:

سراج الدین احمد خاں نام، سائل تخلص، سنہ ولادت ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۸ء، مقامِ ولادت دہلی، والد کا نام، نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب ابنِ ضیاء الدین احمد خاں، جاگیردار ریاستِ لوہارو ہے۔ چار سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا اور اپنے جدّ بزرگوار کے آغوشِ شفقت میں پرورش پانے لگے۔

عربی و فارسی کی تعلیم مولوی قاسم علی سے اور فنّی کتابیں میرزا ارشد علی گورگانی سے پڑھیں اور انہیں کو ابتدائی کلام دکھایا۔ گورا رنگ، چوڑے چکلے اعضا اور خوب صورت ناک نقشہ ہے، وسیع الخیالی، متحمل مزاجی، عالی ہمتی، اور فراخ حوصلگی کا مجسّمہ اور دلّی میں شاہی عہد کا لباس استعمال کرنے والوں کی مبارک یادگار ہیں۔

پہلی شادی نواب ممتاز حسن خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔ چند سال کے بعد اِن کا انتقال ہو گیا، تو دوسرا عقد ۳۴ سال کی عمر میں فصیح الملک نواب میرزا خاں داغؔ دہلوی کی دخترِ سے ہوا۔ اِس نسبت سے ذوقِ شاعری نے بھی رنگ بدلا اور معاملہ بندی و وارداتِ قلبی اِن کا میدان قرار پایا۔ انھوں نے تین سال کی مشق میں جنابِ داغؔ کے تلامذۂ ارشد میں جگہ پائی۔

شوقِ شعر گوئی کے علاوہ شہ سواری اور پولو کا از حد شوق تھا اور بہترین ''جاکی'' شمار ہوتے تھے، لیکن ۱۹۳۷ء میں حیدر آباد (دکن) میں لنگی میں پاؤں اُلجھا اور گر پڑے، جس سے کولھا اُتر گیا۔ اِس کی تکلیف ہنوز باقی ہے، حتیٰ کہ بغیر سہارے کے اُٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور و مجبور ہیں۔

اب سلسلۂ شعر و شاعری منقطع ہو گیا ہے، حافظہ نسیان سے بدل رہا ہے، نورِ بصر رو بہ انحطاط ہے اور اعضا میں بھی ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ شبانہ روز میں جو وقت کرب و بے چینی سے بچتا ہے، وہ یادِ خدا و فکرِ آخرت میں گزرتا ہے۔ اِن کے نزدیک: ''شاعری میں سب سے اہم پہلو زبان کا ہے اور ساتھ ہی اِس کے علوم و فنون کی ترجمانی۔''

یہ ہندی اور سنسکرت کے اُن الفاظ کے حامی ہیں، جن سے زبان میں ثقل و گرانی پیدا نہ ہو۔ اشعار میں ردیف و قافیہ کی پابندی اُسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح گانے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزامیر۔غزل میں آرزو لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، داغ، غالب، اور میر دردکو، اور نظم میں نظیر اکبر آبادی کو اُستاد مانتے ہیں۔

سائل نے مضامین کی شگفتگی، الفاظ کی بندش، ترکیب کی پستی، محاورات کی دل کشی، فصیح الملک سے ورثے میں پائی ہے اور حضرتِ داغؔ کے ممتاز شاگرد جن خصوصیات کے حامل ہیں، اُن میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اِن کا طرزِ غزل خوانی نہایت دل کش اور پُر درد ہے۔ دن رات گھر پڑے پڑے دل گھبرا جاتا ہے، اِس لیے سہ پہر کو رِکشا میں لیٹ کر اکثر جامع مسجد کے قریب رحیمیہ کتب خانے آ جاتے ہیں، اور جب تک دل چاہتا ہے، رکشا میں لیٹے لیٹے سیر کرتے رہتے ہیں۔ اہلِ ذوق اور قدردانوں کا اکثر مجمع ہو جاتا ہے۔خرابیٔ صحت کے باعث باوجودِ توقع، بزمِ سخن رام پور کی کسی مجلس میں تشریف نہ لا سکے۔

۲۱۔ سیماب اکبر آبادی:۔

عاشق حسین نام اور سیماب تخلص ہے۔ جمادی الآخر ۱۲۹۹ ہجری مطابق ۱۸۸۰ء میں سنیچر کے دن صبح کے وقت اکبر آباد (آگرہ) کے محلّہ نائی منڈی، کِلکو گلی املی والے مکان میں پیدا ہوے۔

اِن کے والد مولوی محمد حسین، اجمیر شریف میں ٹائمز آف انڈیا پریس کی شاخ کے اعلیٰ افسر تھے۔ یہ دینیات کے دل دادہ اور مذہب کے بڑے پابند تھے۔کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ وعظ اور شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔اپریل ۱۸۹۷ء میں بہ مقام آگرہ انتقال کیا۔

جنابِ سیماب فارسی وعربی کی کتبِ متداولہ کی تکمیل کے بعد انگریزی مدرسے میں داخل ہوئے۔ ۱۷ سال کی عمر تھی اور ایف اے کا آخری امتحان دینے والے تھے کہ والد کے انتقال کے باعث سلسلۂ تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور کالج چھوڑنا پڑا۔بیس سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ اِس وقت ایک لڑکی اور چار لڑکے بہ قیدِ حیات ہیں۔

ذوقِ شاعری فطری اور میراثِ پدری ہے۔ اِن کا دستور تھا کہ فارسی نصاب میں جس قدر اشعار پڑھتے، اُن کا اردو ترجمہ کر کے اپنے اساتذہ کے سامنے رکھ دیا کرتے۔ کالج کی زندگی میں مولوی سدید الدین قریشی اور مولوی تحسین علی اجمیری وغیرہ نے ذوقِ شاعری کو اور ابھار دیا اور یہ امتحان کے پرچوں میں بھی فارسی نظم کا اُردو نظم میں ترجمہ کرنے لگے۔

حضرتِ سیماب سفید رنگ، موزوں اندام، کشادہ پیشانی، سادہ مزاج، سنجیدہ خیال، بلند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق، پُرخلوص اور محبت پیشہ ادیب وشاعر ہیں۔

عمرِ عزیز کا زیادہ تر حصّہ انگریزی دفاتر کی ملازمت میں گزرا۔ خود کہتے ہیں:

فطرتاً عجزِ طبیعت بن گیا رنگِ حیات
عمر بھر سیماب پابندِ اطاعت ہی رہا

جس زمانے میں بہ سلسلۂ ملازمت کان پور میں مقیم تھے، لکھنؤ میں جلال لکھنوی کا طوطی بول رہا تھا۔ لیکن اِن کی طبیعت فطرتاً ''دبستان دہلی'' کی طرف مائل تھی۔ ۱۸۹۸ء میں فصیح الملک داغ دہلوی کے شاگرد ہوگئے، اور اصلاح کا سلسلہ فصیح الملک کی وفات سے کچھ پہلے تک برابر جاری رہا۔

کان پور کے دورانِ ملازمت میں نظر وارثی اور یہ ایک مکان میں رہا کرتے تھے، اُن کی تشویق سے انھی کے ہم راہ دیوہ شریف جا کر حضرت شاہ وارث علی صاحبؒ سے بیعت کی۔

تالیف وتصنیف کا عہدِ طفلی سے شوق تھا۔ فرماتے ہیں کہ ''اس وقت تک ۲۸۴ کتابیں مختلف موضوعات پر میرے قلم کی رہینِ کشش ہیں۔ اِن میں سے چند منظوم تصانیف حسبِ ذیل ہیں:۔

کارِ امروز، کلیمِ عجم، نیستاں، پیامِ فردا، توراتِ مشرق، آیات الادب، سرودِ غم، پیغامات۔

بہ قولِ مؤلفِ خُم خانۂ جاوید:

''فنِ تاریخ گوئی میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ تغزل میں متانت کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور طرزِ حالی ورنگِ اقبال کے درمیان ایک شاہراہ نکالنے میں کوشاں ہیں''۔

جنابِ سیماب نے اپنے شاعرانہ معتقدات کے تحت حسبِ ذیل خیالات کا ''کلیمِ عجم'' میں اظہار کیا ہے۔

''۱۹۱۸ء سے میرا رنگِ تغزل بالکل بدل گیا۔ میں اب شاعری میں بلند خیالات اور بلند انسانی جذبات کی ترجمانی کا حامل ہوں، میں شاعری میں فلسفہ، حقائق اور معارف کے نکات پسند کرتا ہوں۔ میں اُس شاعری کا منکر ہوں جس کا موضوع صرف عورت یا اُس کے متعلقات ہوں جو امرد پرستی کی نفسیات پر مشتمل ہو۔ میری شاعری کا موضوع حُسنِ محض اور عشقِ محض ہے، اور ضمائر کا مرجع وہ ذات ہے، جو حاملِ حُسن ہو اور مرکزِ محبت ہو۔ جس طرح علم شاعری کے لیے لازمی اور ضروری ہے، اِسی طرح محبت اور شاعری کو لازم و ملزوم سمجھتا ہوں، اور خیالات میں تصنع یا بناوٹ کا حامی نہیں''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''میں خیالات کو صداقت اور محبت پر مبنی دیکھنا چاہتا ہوں اور حقیقی وارداتِ قلب کی ترجمانی میرا مسلکِ بیان ہے۔ گو مجھے تمام اصنافِ سخن پر فطرت نے قدرت دی ہے، مگر میں نظم و غزل اور رباعی کو اظہارِ خیال کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہوں۔ شعرا کی الہامی حیثیت پر میرا ایمان ہے۔ میں شعر میں بلند خیالات کے ساتھ بلند الفاظ کا موید ہوں، ایسے الفاظ جن میں غرابت نہ ہو اور جنھیں تعلیم یافتہ اصحاب بہ آسانی سمجھ سکیں۔''

''میں نظم کو غزل پر ترجیح دیتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ شعرا غزل سے زیادہ نظم گوئی کی طرف متوجہ ہوں۔ اِس لیے کہ غزل جس چیز کا نام ہے وہ اپنی قدامت اور کہنگی کی وجہ سے اب زیادہ کارآمد نہیں۔ شعرائے متغزلین اِس صنف کو بہ تمام و کمال پامال اور ختم کر چکے ہیں۔ منتہی شعرا کے لیے بھی غزل میں اجتہاد و ایجاد کی گنجائش بہت کم باقی ہے، مگر نظم کا میدان ہنوز وسیع ہے اور یہ صنفِ سخن، اُردو شاعری کو کارآمد اور مفید بنا سکتی ہے۔ اِس لیے زیادہ سے زیادہ توجہ اِسی کی طرف ہونی چاہیے۔''

''شعر و شاعری کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ زندگی شعر ہے اور شعر زندگی ہے۔ کائنات بغیر ''شاعر'' کے ایک سازِ بےنغمہ ہے۔ شاعر دُنیا کا ایک ایسا جزو ہے جس کے بغیر دُنیا کا قیام ناممکن ہے۔ الہام و وحی کا وہ سلسلہ جو پیغمبروں کے مبعوث نہ ہونے سے ختم ہو چکا ہے، ''شاعر'' کے دماغ اور سروش میں اب بھی باقی ہے۔ اور ہمیشہ باقی رہے گا۔''

حضرتِ سیماب عرصہ ہوا ملازمت سے استعفا دے چکے ہیں، اور ۱۹۲۹ء سے اکبر آباد میں رہتے ہیں اور اُردو ادب کی خدمت کرتے ہیں۔ شاگردوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ خود اِن کے بہ قول ''شاید کسی کو ملی ہو۔''

۲۲۔ صفی لکھنوی:

سیّد علی نقی نام، صفی تخلص۔ تاریخِ ولادت ۳ر جنوری ۱۸۶۲ء مطابق یکم رجب ۱۲۷۸ھ، اور قدیم وطن لکھنؤ ہے۔ اِن کے والد مولوی سیّد فضلِ حسین، آخری تاجدارِ اودھ کے بھائی، شاہزادہ سلیماں قدر بہادر کے متعمد تھے۔

صفی ۵، سال کی عمر میں مکتب نشین ہوئے اور مولوی نجم الدین کاکوروی سے فارسی اور مولوی احمد علی محمد آبادی سے درسیاتِ عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ فنِ طب کی تعلیم حکیم سیّد باقر حسین صاحب سے ہوئی۔ امین آباد نائٹ اسکول اور کیننگ کالیجیئٹ اسکول لکھنؤ میں انٹرنس تک انگریزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھی۔ اِس کے بعد لال اسکول اور برانچ سکول متعلقہ کیننگ کالج لکھنؤ میں انگریزی پڑھانے پر مامور ہو گئے۔ جون ۱۸۸۳ء سے اودھ کے محکمۂ دیوانی میں مستقل ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سُلطان پور، رائے بریلی وغیرہ مقامات میں مختلف عہدوں پر رہ کر ۱۹۲۲ء میں سرکاری ملازمت سے پنشن حاصل کی۔

جنابِ صفی، آزاد مسلک، نیک مزاج، خلیق، گوشہ نشین، اور منصف مزاج شخص ہیں۔ ملّی تعصب اور تنگ نظری سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔ خلوص اور منکسر المزاجی اِن کا خاص جوہر ہے۔ کہنہ سالی کے باوجود آواز میں ایک خاص کشش اور قوت ہے اور کلام پڑھنے کا طریقہ خاص ہے، جو تحت اللفظ اور ترنم کے بین بین ہے۔

انجمنِ بہارِ ادب کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اِن کی مثنوی ''تنظیم الحیات'' پر، ہندوستانی اکادمی، الہ آباد نے بہ حیثیت اعلیٰ نمونہ شاعری کے پانچ سو کی رقم بہ طورِ صلہ مرحمت کی ہے۔ قومی نظموں کے اعتراف میں پبلک نے ''لسان القوم'' کا لقب دیا ہے اور کئی بار طلائی تمغے پیش کیے ہیں۔ فارسی کلام کا خاصا مجموعہ ہے اور کافی تعداد میں متفرق نظمیں اور ایک ضخیم دیوان طبع ہو چکا ہے۔ اِن کا خیال ہے کہ اصنافِ سخن میں غزل ایک ایسی چیز ہے جس میں سب آ جاتا ہے، اگر سلیقے اور ڈھنگ سے کہی جائے۔

ہندی اور سنسکرت کے جو الفاظ زبان میں رائج ہیں، اُن کا استعمال درست سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کوشش ہونا چاہیے کہ حتیٰ الامکان سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے جائیں، کیوں کہ اُردو زبان ثقیل اور غیر مروج الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔''

شعر کے لیے قافیہ و ردیف ضروری سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''شعر اگر چہ بغیر ردیف کے بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن ردیف کے برمحل استعمال سے شعر میں خوبی اور چُستی پیدا ہو جاتی ہے۔ بغیر ردیف شعر کی مثال ایسی ہے جیسے بُنی ہوئی چار پائی بغیر ادوان کے۔''

نظم میں میر انیس اور غزل میں میر تقی اور غالب کو اُستاد سمجھتے ہیں۔ انجمنِ بزمِ سخن کی دعوتِ ادب میں مجبوریوں اور ضعیفی کے باعث تشریف نہ لا سکے۔

۲۳۔ فراق گورکھ پوری:

رگھو پتی سہائے نام، فراق تخلص۔ سالِ ولادت ۱۸۹۶ء، والد کا نام (وکیل) گورکھ پرشاد، عبرت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً چار سو سال سے گورکھ پور میں آباد ہیں اور سری داستیو کائستھوں کے خاندان سے تعلق ہے۔ اِن کے بزرگوں کو شیر شاہ نے پانچ گاؤں جاگیر میں دیے تھے، جو ہنوز آباد ہیں اور اسی باعث یہ پنج گانواں کائستھ کہلاتے ہیں۔

فراق سانولے رنگ کے چُست وتندرست، مذہبی قیود وتعصّبات سے آزاد، روشن خیال اور ہنس مکھ انسان ہیں۔

معمولی اُردو پڑھ کر انگریزی کی طرف توجہ کی۔ ۱۹۱۳ء میں گورکھ پور سے انٹرنس اور ۱۹۱۵ء میں ایف۔ اے کا امتحان فارسی کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازیں شادی ہوگئی۔ بی۔ اے کے بعد والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور تفکراتِ دنیا نے آ گھیرا۔

فراق ڈپٹی کلکٹر بھی رہے، یونیورسٹی میں پروفیسر بھی، اور آئی۔ سی۔ ایس کے لیے بھی نامزد ہوے، لیکن ازدواجی زندگی نے اتنا بے دل کر دیا تھا کہ حُبِ وطن اور خدمتِ خلق کی خاطر تمام ملازمتوں سے انکار کر کے ۱۹۱۷ء میں کانگریس میں شامل ہوگئے اور قید و بند کی تمام مصیبتیں جھلیں۔ اِس کے بعد کرسچین کالج میں انگریزی کے لیکچرر مقرر ہوے۔ آج کل الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے لیکچرر ہیں۔

ذوقِ شاعری لڑکپن سے تھا، لیکن سب سے پہلی غزل ۱۹۱۶ء میں کہی، جب کہ بی۔ اے میں تعلیم پا رہے تھے۔ اپنی شاعری کے متعلق فرمایا ہے کہ:

> ''میں زیادہ تر امیر مینائی کا متبع ہوں، اور چوں کہ عزیز لکھنوی، شاد عظیم آبادی، ناصری، مولانا حسرت، اصغر، یگانہ، اور علامہ اقبال کے کلام کو اصلاحِ خیال کی نظر سے دیکھا ہے، اِس لیے ان تاثرات سے بھی کلام رنگین ہے۔''

اِن کا خیال ہے کہ اُردو زبان میں ہندی اور سنسکرت کے وہ جملہ الفاظ استعمال کرنا چاہییں جو مذاقِ سلیم پر گراں نہ ہوں۔

نظم اور غزل دونوں میں علامہ اقبال کو اُستاد مانتے ہیں۔ کلام کا ایک مجموعہ زیرِ طبع ہے۔ ردیف وقافیہ کی پابندی سے اشعار کہتے ہیں، اور طرزِ جدید کے خلاف ہیں۔

۲۴۔ کیفی دہلوی:

برج موہن نام اور کیفی تخلص ہے۔ ۱۳، دسمبر ۱۸۶۶ء کو دہلی میں پیدا ہوے۔ والد کا نام پنڈت کنہیا لال ہے، اور قوم کے دتاتریہ پنڈت ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن کے بزرگ بادشاہِ فرخ سیر کے زمانے میں کشمیر سے دلّی آئے، اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہے۔ پنڈت کنہیا لال، نابھے میں کوتوال تھے۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ ابتدائی تعلیم محلے کے مدرسے میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل اپنے نانا سے کی، اور انگریزی کی تعلیم سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی میں پائی۔

کیفی کوتاہ قد، موزوں اندام، گندمی رنگ، آفتابی چہرہ، فراخ چشم اور کشادہ پیشانی اِنسان ہیں، وضع قطع اور لباس انگریزی ہے۔ حافظہ نہایت قوی پایا ہے۔ شعر تحت اللفظ پڑھتے ہیں۔ دوپہر کو کبھی آرام نہیں کرتے اور شب میں گیارہ بجے سے پہلے نہیں سوتے۔ حقے کا بے حد شوق ہے اور عموماً سادہ غذا کھاتے ہیں۔ خیالات کی بلندی، ہمدردیِ قوم و وطن، شاعرانہ شوخی و لطافت اور وسعتِ اخلاق کا مجسمہ ہیں۔

شادی، پنڈت اجودھیا ناتھ شیوپوری (لکھنؤ) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ بارہ سال کا عرصہ ہوا کہ رفیقۂ حیات کا انتقال ہو چکا۔ متعدد اولادوں میں سے اس وقت دو فرزند بہ قیدِ حیات ہیں۔

بڑے، پنڈت پیارے موہن دتاتریہ، بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اخبارِ ٹربیون کے فرسٹ ایڈیٹر اور چھوٹے، سریندر موہن ایم۔ اے، بی۔ ٹی لائل کالج میں پروفیسر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

جنابِ کیفی کو شاعری کی دولت اپنے ایک خاندانی بزرگ پنڈت نرائن داس ضمیر دہلوی سے ورثے میں ملی ہے۔ آغازِ مشق میں غزل گوئی کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ پھر علامہ حالی، حضرتِ آزاد، اور مولانا شبلی جیسے اکابر کی صحبت اور مغربی ادب کے اثرات سے نیچرل شاعری شروع کی۔ اصنافِ شاعری میں روحانی اور اخلاقی شاعری کو پسند کرتے ہیں۔

اردو ادب کی ترقی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ:

(الف) خواندگی بڑھائی جائے۔

(ب) سستی کتابیں کارآمد موضوعوں پر سہل زبان میں شایع کی جائیں۔

(ج) ایسے نشر کرنے والے ادارے قائم کیے جائیں، جو مقامی اور ملّی تنگ نظری سے مبرّا ہوں۔

(د) مقابلے کے مضامین اور نظمیں وغیرہ لکھوائی جائیں اور انعام دیے جائیں۔

(ہ) مُسلّم ادیبوں اور مصنفوں کو جو آسودگی کے طالب ہوں سول پنشن عطا کی جائے۔

(د) فرانس اکیڈمی جیسا ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن کے علاوہ اُردو کی خدمت کے اور بھی راستے ہیں جو کام شروع کرنے سے خود بہ خود سامنے آجائیں گے۔"

"اُردو زبان میں ہندی اور سنسکرت وغیرہ کے شمول کے جو اُصول متوسطین کی نظر میں تھے، ہم کو بھی وہی سامنے رکھنا چاہییں۔ یعنی تارید اور اپنانا۔ "منشورات" میں اُردو لسانیات کے عنوان پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ ایسے الفاظ تصرف سے اجنبی نہیں رہتے بلکہ اُردو میں گھل مِل جاتے ہیں۔"

ردیف و قافیہ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اِن قیود میں وہاں تک رہنا مناسب ہے، جہاں تک مضمون ہاتھ سے نہ جائے، اور شاعر کے تخیّل کی مزاحمت نہ ہو۔ غزل میں ردیف ایک لطف اور شان پیدا کر دیتی ہے۔

نظم و غزل میں صرف سیماب اکبر آبادی کو اُستاد سمجھتے ہیں۔

نظم میں حسبِ ذیل کتب طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ پریم ترنگی
۲۔ مسدس
۳۔ بھارت درپن
۴۔ آئینہ ہند
۵۔ شوکتِ ہند
۶۔ جگ بیتی
۷۔ واردات (دیوان)
۸۔ متفرق خمسۂ کیفی
۹۔ ناگزیر قیل و قال
۱۰۔ خُم خانۂ کیفی
۱۱۔ مرآتِ خیال
۱۲۔ منشورات

۱۶۔ ۱۹۱۵ء میں یورپ کا سفر کیا، اور علمی و ادبی حلقوں کے سر برآوردوں سے ملاقاتیں کیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ریاست کشمیر میں اسسٹنٹ فارن سیکریٹری کے عہدے سے سبک دوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کے بعد ریاست چینتی (پہاڑی ریاست) میں کلکٹر رہے اور اب دلّی میں مولانا عبدالحق صاحب کے ساتھ ترویج وترقی اُردو کا کام کررہے ہیں۔

۲۵۔ ماہرالقادری:

منظور حسین نام، ماہر تخلص۔سالِ ولادت ۱۳۲۴ھ اور وطن قصبہ کسیر کلاں، ضلع بلند شہر ہے۔ان کے والد محمد معشوق علی، ظریف تخلص کرتے تھے اور حمد ونعت لکھا کرتے تھے۔نسباً شیخ قریشی اور حضرتِ خواجہ عبیداللہ احرار کی اولاد میں ہیں خود فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے خاندان کی تاریخ امارت ودولت کی روایت سے خالی ہے، اور مجھے فخر ہے کہ میں امیر گھرانے میں پیدا نہیں ہوا۔''

سات سال کی عمر میں والدہ کا اور اٹھارہ سال کے سن میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

اول گاؤں کے مکتب میں قرآن مجید ختم کیا۔پھر والد سے اُردو فارسی پڑھی۔ریاضی سے ہمیشہ نفرت رہی۔۱۹۲۴ء میں الہ آباد سے میٹرک میں شریک ہوے، مگر فیل ہوگئے۔۱۹۲۶ء میں علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا، اس کے بعد تلاشِ معاش کی فکر میں گرفتار ہوکر بہ ظاہر تعلیم ترک کردی، لیکن معناً مطالعے کا سلسلہ بہ دستور جاری ہے۔چوں کہ علوم وآداب سے فطری مناسبت ہے، اِس لیے مذہب، اور تاریخ کا خاصا مطالعہ کیا ہے۔

ماہر کی آواز میں پُر اثر لحن ہے۔خوب صورت خط وخال اور بلند بالا قد ہے۔چہرے سے متانت وسنجیدگی ٹپکتی ہے۔اخلاق میں وسعت، اور مزاج میں سادگی ہے۔بزرگوں سے عقیدت مندی، اور مذہب کی پابندی ورثے میں ملی ہے۔

شاعری میں تلمذ کسی سے نہیں اور نہ اصلاحِ سخن کے قائل ہیں۔اِن کے نزدیک شاعری کا وہ پہلو اہم ہے جس کے ذریعے قلب میں تسکین اور روح میں انقلاب پیدا ہوسکے۔یہ اقتصادیات اور معاشیات وغیرہ کی رہنمائی سے شاعری کو بالاتر سمجھتے ہیں۔

کلام میں ردیف وقافیہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر ردیف وقافیہ کی شاعری کو جس کا نام لوگوں نے ''ترقی پسند شاعری'' رکھا ہے، دماغی پستی اور ذہنی غلامی کی آخری سرحد جانتے ہیں۔اِن کے نزدیک ہندی اور سنسکرت کے مزید الفاظ کو تسلیم نہیں (کرنا چاہیے)۔

اُردو ادب کی سب سے بڑی خدمت اِسے جانتے ہیں کہ اُردو سے ذوق رکھنے والے ہر مہینے کتابیں خریدنا اپنے اوپر فرض کرلیں۔اس طرح مصنفین کی ہمت افزائی ہوگی اور اچھی اچھی کتابیں منظرِ عام پر آسکیں گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظہورِ قدسی، محسوساتِ ماہر، ماہر القادری کے سو شعر، یہ تین مجموعے منظوم کلام کے شائع ہو چکے ہیں۔ مصروفیاتِ معاش کی تگ و دو کے بعد جو وقت بچتا ہے، کتابیں دیکھنے اور نظم و نثر میں صرف کرتے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں سفر عراق کیا، اور بغداد شریف میں ایک ماہ رہ کر ایک نظم بہ عنوان ''بغداد کے چمن میں ایک شام'' لکھی جو مشہور ہے۔ کلام زیادہ تر از بَر اور کلام پڑھنے کا طریقہ بے حد دل کش ہے۔

۲۶۔ تلوک چند محروم:

تلوک چند نام، اور محروم تخلص ہے۔ ۱۸۸۷ء میں موضعِ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ اِن کے اجداد اصلاً زراعت پیشہ تھے، لیکن اراضی دریا بُرد ہو جانے سے دُکان داری اور بیوپار شروع کر دیا تھا۔

جناب محروم نے پہلے ورنا کیولر مڈل اور ۱۹۰۱ء میں انٹرنس، پھر ایف۔ اے، اور بی۔ اے اور ایس۔ اے۔ وی کے امتحانات نجی طور پر پاس کیے۔ ۱۹۰۸ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے جے۔ اے۔ وی کا امتحان پاس کرنے پر مشن ہائی اسکول ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں بہ طورِ جونیر انگلش ماسٹر مقرر ہوے۔ ۱۹۱۴ء میں بھراتری ہائی اسکول ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں چلے آے۔ ۱۹۰۶ء میں بہ وجہ وفاتِ اہلیہ، عیسیٰ خیل میں آکر میونسپل بورڈ اسکول میں اول سیکنڈ ماسٹر اور بعد میں بہ طورِ ہیڈ ماسٹر ۱۹۲۵ء تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک مڈل اسکول کلور کوٹ ضلع میانوالی میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ ۱۹۳۳ء سے آج تک کنٹونمنٹ بورڈ اسکول راولپنڈی کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ مگر عن قریب پنشن پر سبک دوش ہونے والے ہیں۔

دورانِ ملازمت میں حالات ناساز گار رہے، جس کا اظہار اِن اشعار میں کیا ہے۔

سی و چار سالِ عمرم بہ ملازمت بسر شد — سحرِ شباب خود راہمہ تیرہ شام کردم
شرفم بہ عہد پیری چہ بود کہ در جوانی — بہ سگاں ادب نمودم، بہ خزاں سلام کردم

''تیسری کلاس میں پڑھتا تھا کہ خود بہ خود مصرعے زبان پر آنے لگے۔ چوں کہ مادری زبان ملتانی ہے، صحیح اُردو سے لڑکپن میں واقفیت نہ ہو سکی۔ وہ زمانہ تو دُور رہا۔ آج تک روزمرۂ اہلِ زبان پر قدرت نہیں۔''

جنابِ محروم چھریرے جسم کے کتابی چہرے اور مناسب قد والے فراخ چشم، کشادہ پیشانی، اور متین شاعر ہیں۔ ان کا خاص موضوع، اخلاقی، اور اصلاحی نظمیں ہیں، جن میں بچوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوجوانوں کی اِصلاح وتعلیم کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اور یہی ان کی شاعری کا اہم پہلو ہے۔ دیگر زبانوں کے غیر مانوس الفاظ، خواہ ہندی یا فارسی کے ہوں یا سنسکرت اور عربی کے، اُردو میں استعمال نہیں کرتے، لیکن جو الفاظ گھل مِل گئے ہیں اور سامع کو ان کے سمجھنے اور سُننے میں گرانی نہیں ہوتی، انھیں اشعار میں لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ زبانِ اُردو کی وسعت کے لیے عربی و فارسی اور دیگر زبانوں کے رواں ترجمے کیے جائیں۔ کلام میں ردیف و قافیے کی پابندیوں کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اس التزام سے اشعار کا لطف بڑھ جاتا ہے اور رنگینی آجاتی ہے۔

تلمذ کسی سے اختیار نہیں کیا، لیکن نظم میں چکبست، سرور جہاں آبادی، اور علامہ اقبال کو اُستاد مانتے ہیں، اور غزل میں میرزا غالب اور میر کے قائل ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں ایک مجموعہ ''کلامِ محروم'' کے نام سے شایع ہوا تھا۔ اِس کے بعد ''کلام محروم حصہ دوم'' شایع ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں ایک اور ضخیم مجموعہ ''گنجِ معانی'' کے نام سے طبع ہوا ہے۔ اکثر نظمیں مدارس اور اسکول کے چھوٹے بڑے درجات کی درسی کتابوں میں داخل ہو چکی ہیں۔

متاہل زندگی کی یادگار دو لڑکیاں اور ایک لڑکا جگن ناتھ آرزو، بی۔ اے باقی ہے۔ آرزو کی طبیعت کو بھی شعر وسخن سے خاص لگاؤ ہے۔

۲۷۔ آنند نرائن مُلّاؔ:

آنند نرائن ملا، ابنِ پنڈت جگت نرائن ملا، ابنِ کالی سہائے ملا، ابنِ سیتا رام ملا، ۱۹۰۱ء میں محلہ رانی کٹرہ لکھنؤ میں پیدا ہوے۔ ان کا خاندان کشمیری ہے، مگر اِن کے مورثِ اعلیٰ سیتا رام ملاؔ نے کلکتے میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہاں سے اس خاندان نے لکھنؤ کا رُخ کیا، اور اب یہی وطن ہے۔

آنند نرائن مُلاؔ نے دس سال کی عمر میں گورنمنٹ جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ میں (اب گورنمنٹ جوبلی انٹرمیڈیٹ کالج ہے) تعلیم شروع کی۔ ۱۹۱۷ء میں انٹرنس، ۱۹۱۹ء میں ایف۔ اے ۱۹۲۱ء میں بی۔ اے ۱۹۲۳ء میں ایم۔ اے، اور ۱۹۲۵ء میں ایل۔ ایل۔ بی پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں بھی شرکت کی تھی، مگر انتخاب میں نہ آسکے۔

انگریزی تعلیم کے دور میں اُردو فارسی کی تعلیم گھر پر مولوی محمد برکت اللہ صاحب فرنگی محلی سے ہوتی رہی۔ اِن کو شعر وشاعری سے خاص دل چسپی تھی۔ اکثر پڑھاتے پڑھاتے شعر کہنے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصروف ہو جاتے تھے اور ۵۰، ۶۰ شعر سے کم نہیں کہتے تھے۔

اس زمانے میں جنابِ ملا کو شعروسخن سے اس قدر تنفر تھا کہ اُستاد شعرا کے اصرار کے باوجود پڑھنا گوارا نہیں کرتے تھے، لیکن کالج کے اندر انگریزی میں کچھ کچھ نظم کرنے کی عادت ہوگئی۔ چناں چہ میر انیس کی چند رباعیوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جو کالج میگزین میں طبع ہوا اور بہ نظرِ پسندیدگی دیکھا گیا۔

۱۹۲۷ء میں صحت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ بستر پر لیٹا رہنا بہتر ہے۔ پڑے پڑے دل گھبرا جاتا تھا، اِس لیے کتابیں دیکھا کرتے۔ اس زمانے میں علامہ اقبال کا ایک مجموعہ ''پیامِ مشرق'' طبع ہوا تھا۔ اِس کی نظم ''لالۂ طور'' کا انگریزی ترجمہ لیٹے لیٹے کرڈالا، جو حلقۂ احباب میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

اپنے اُستاد پنڈت منوہر زتشی، ہیڈ ماسٹر جوبلی اسکول کے اصرار پر پہلی نظم بہ عنوانِ ''پرستارِ حُسن'' ۱۹۳۷ء میں لکھی جو ''زمانہ'' میں ایک اڈیٹوریل نوٹ کے ساتھ شایع ہوئی۔ اِس کے بعد اُن کا اصرار اور بڑھ گیا اور ملا مستقل نظم کہنے لگے۔ بہار مرحوم کے کہنے پر انجمنِ ''معین الادب'' کے ممبر بھی بن گئے۔

ملا سفید رنگ، موزوں قد، فراخ چشم، خوش وضع، اور متین و مہذب انسان ہیں، کلام پڑھنے کا طریقہ مناسب ہے۔ شعروسخن میں کسی سے تلمذ نہیں، اور نہ اس کو مناسب سمجھتے ہیں ردیف و قافیہ سامنے رکھ کر اشعار کم کہتے ہیں چناں چہ طرح کی غزلیں بہت کم ہوتی ہیں۔

۹ر فروری ۱۹۲۳ء کو شادی ہوئی اور اسی سال سے لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ وکالت ان کا خاندانی پیشہ ہے۔ حافظہ خداداد ہے۔ شعر ارادۃً نہیں کہتے، بلکہ چلتے پھرتے کہا کرتے ہیں۔

اِن کے نزدیک شاعری کا ایک پہلو خلوص وصداقت ہے۔ اور ''خلوص وصداقت اُسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ شاعر اُن باتوں کا ذکر کرے جو اُس کی زندگی سے قریب تر ہوں اور جن کا اُس نے خود احساس کیا ہو، یہ ایسے شخص کی انفرادی فطرت پر منحصر ہے کہ اُس کے ذاتی تجربات اور احساسات، اقتصادی معاملات، معاشی حالات، یا روحانی کیفیات میں سے کس سے وابستہ ہیں۔''

اُردو زبان میں دیگر زبانوں کے الفاظ کے شمول کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''اُس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ جہاں تک زبان قبول کرے۔ اب رہا اندازے کا سوال کہ زبان قبول کرتی ہے یا نہیں، تو یہ ایک فرد کے لیے مشکل ہے۔ لیکن وہ الفاظ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام فہم ہیں، اگر اُن کے مترادف الفاظ پیش تر سے زبان میں موجود ہیں، تو بھی اِن کے استعمال کو ناپسند نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ اِس طرح زبان کی وسعت کو نقصان پہنچتا ہے۔

مترادف الفاظ کے مفہوم میں بہت زیادہ اختلاف ہوتے ہیں اور جتنے زیادہ ہم معنٰے الفاظ ایک زبان میں شامل ہو جائیں گے، اتنا ہی اُن نازک اختلافات کو ادا کرنے کے لیے الفاظ کا فرق بڑھتا چلا جائے گا۔ اور یہ دیکھنے والے کی قابلیت پر ہوگا کہ وہ کون لفظ انتخاب کرتا ہے کہ وہی لفظ اُس کے مفہوم کی صحیح ترجمانی کر سکے گا۔ رہا اُردو زبان کی خدمت کا سوال، تو اس طرف ساری توجہ مبذول ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر زبان وسیع ہوتی ہے تو اُردو کی ترقی ہوتی ہے اور ایسا ہونا جب ہی ممکن ہے کہ عوام کی زبان بننے کی صلاحیت دے جا سکے (پیدا کر سکے)۔ جو کوشش اُردو پھیلانے کی اور اُردو کا پیام عوام تک پہنچانے کی، کی جائے گی وہی اُردو ادب کے بقا کی ضامن ہوگی۔''

ردیف و قافیے کی ضرورت کے بارے میں ان کا ارشاد ہے کہ:

''قافیہ اور ردیف سے ایک آہنگ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، جس سے تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ شاعر کی قابلیت پر منحصر ہے کہ اِس آہنگ سے مدد لیے بغیر اپنے پیام میں اتنی تاثیر اور دل کشی پیدا کر دے کہ سننے والوں کو اِس آہنگ کی غیر موجودگی محسوس نہ ہو۔ اور زبانوں میں قافیہ و ردیف کی اتنی سختی نہیں ہے جتنی کہ اُردو میں، پڑھنے والوں کو اِس کی کمی بھی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ غالباً آہنگ کو ضروری سمجھنا کسی قدر ہماری عادت کا بھی نتیجہ ہے، کیوں کہ ہم ہمیشہ با قافیہ اور با ردیف نظمیں پڑھتے اور سنتے چلے آئے ہیں۔''

جنابِ ملا نظم میں اقبال، اور جوش کو اور غزل میں غالب، فانی اور جگر کو اُستاد مانتے ہیں۔

۲۸۔ نوح ناروی:

محمد نوح نام، نوحؔ تخلص، وطن تارہ، ضلعِ الہ آباد۔ تاریخِ ولادت یکم شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸ ادسمبر ۱۸۷۹ء اور مقامِ ولادت بھوانی پور تحصیلِ سلون، ضلعِ رائے بریلی ہے۔

اُردو کی ابتدائی تعلیم، حافظ قدرت علی، مولوی یوسف علی ناروی اور حاجی عبدالرحمٰن جائسی سے اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم میر نجف علی سے حاصل کی۔

شوقِ شعر گوئی بھی اِسی دوران میں پیدا ہوا۔ ابتدا میں میر موصوف سے اصلاح لی، پھر امیر مینائی سے اور چند غزلوں میں جلال لکھنوی سے مشورہ کیا اور آخر میں حضرتِ داغ دہلوی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاگرد ہوے۔ ابھی اصلاح لیتے ہوے دو برس بھی نہ ہوے تھے کہ اُستاد کے شوقِ قدم بوسی نے گدگدایا اور اپنے عزیزوں سے چھپ کر حیدر آباد دکن پہنچے۔ اِن کو دیکھ کر حضرتِ داغ نے فرمایا کہ تمھارا کلام دیکھ کر ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ نوح، حضرتِ نوح کے ہم عمر ہوں گے، مگر تم تو بہت کم عمر ہو۔ کچھ عرصے کے بعد اپنے وطن واپس چلے آے۔ ایک بار اُستاد موصوف نے خود بھی بلایا تھا۔

نوح کا درمیانی قد، گول چہرہ، اور گندمی رنگ ہے، تن درستی بھی اچھی رہتی ہے۔ معقول زمین داری کے مالک ہیں، اِس لیے شبانہ روز شعر و شاعری اور اصلاحِ سخن میں مشغول رہتے ہیں۔ گفتگو میں ظرافت پائی جاتی ہے۔ طرزِ غزل خوانی بھی خوش آئند ہے۔ حافظہ بہت اچھا ہے، حضرتِ داغ کا بہت سا کلام اور لطیفے از بر ہیں کوئی جملہ اور فقرہ لطافت سے خالی نہیں ہوتا۔ حقّے کا بہت شوق ہے۔ انگریزی لباس سے پرہیز کرتے ہیں، اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، مگر کبوتر بازی کا شوق بہت ہے۔ حضرتِ داغ کے جانشین شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری از اول تا آخر عاشقانہ ہے اور اسی کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہندی اور سنسکرت کے گراں الفاظ استعمال نہیں کرتے، البتہ وسعتِ زبان کے لیے نئے جملے، جدید فقرے، اور خوب صورت الفاظ کا استعمال مستحسن تصور کرتے ہیں۔ ردیف و قافیہ کی پابندی سے اشعار کہتے ہیں۔ لیکن شعر کے لیے ردیف سے زیادہ قافیے کو ضروری جانتے ہیں۔ غزل میں داغ، اور نظم میں اکبر الہ آبادی، اور حالی کو استاد مانتے ہیں۔

دو دیوان ''سفینۂ نوح'' اور ''طوفانِ نوح'' طبع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ تیسرا دیوان ''اعجازِ نوح'' ابھی نہیں چھپا ہے۔

۲۹۔ وحشت کلکتوی:

رضا علی نام، وحشت تخلص، ۱۸ر نومبر ۱۸۸۱ء تاریخ پیدائش، اور وطن کلکتہ ہے۔

اُردو و فارسی کی تعلیم کے بعد انگریزی سے واقفیت حاصل کی۔ موزونیتِ طبع خداداد تھی، سولہ سال کی عمر سے طبیعت کو شعر و سخن سے لگاو پیدا ہو گیا۔ مولوی ابوالقاسم محمد شمس، خلفِ مولوی عبدالغفور خاں بہادر نساخ سے تلمذ ہے، جو حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔

مشقِ سخن ملازمت کے دوران میں بہ دستور جاری رہی۔ ایک دیوان ۱۹۱۰ء میں طبع ہو چکا ہے۔ اس پر مولانا حالی، علامہ شبلی اور جناب ظہیر دہلوی نے داد اور مبارک باد دی تھی۔

تعلیم و تدریس اور شعر و سخن، حیات کے مستقل مشاغل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۶ء تک گورنمنٹ اسلامیہ کالج کلکتہ میں پروفیسر رہے، فی الحال پنشن پا رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں سرکار سے ''خان بہادر'' کا خطاب بھی مِل چکا ہے۔ انہیں میرزا غالب کا رنگ سب سے زیادہ پسند ہے۔

حاشیہ:

۱ ملاحظہ کیجیے: ڈاکٹر محسنہ نقوی کا مقالہ بہ عنوان ''سیّد آلِ رضا کا غیر مدوّن و غیر مطبوعہ کلام'' مشمولہ ''تحقیق'' جام شورو، شمارہ ۱۶، ص ۵۶۳ تا ۵۹۸۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com